۷۸۶

یا صاحب العصر الزمان ادرکنی

امام خمینی کی واپسی

محمد ہیکل / نثار طاہر

اسلامی انقلاب ایران پر سب سے مستند اور فکر انگیز کتاب جس میں چونکا دینے والے انکشافات ہیں جو اس سے پہلے کہیں شائع نہیں ہوئے۔

اہتمام و پیشکش..

محمد وصی خان

(صدر سابق مرکزی تنظیم عزاداری رجسٹرڈ کراچی)

ناشر منصور حیدر راجہ

السید محمد علی رضوی۔ بانی و سابق صدر پاک الحسن گارڈز۔ کراچی۔

۷۸۶

یا صاحب العصر الزماں ادرکنی

امام خمینی کی واپسی

محمد ہیکل / ستار طاہر

اسلامی انقلاب ایران پر سب سے مستند اور فکر انگیز کتاب جس میں چونکا دینے والے انکشافات ہیں جو اس سے پہلے کہیں شائع نہیں ہوئے۔

اہتمام و پیشکش..

محمد وصی خاں

(صدر) مرکزی تنظیم عزاء رجسٹرڈ۔ کراچی

ناشر

السید محمد علی رضوی۔ بانی و سابق صدر پاک الحسن گارڈنز۔ کراچی۔

اے میرے اللہ! ۔ عالم اسلام میں اتحاد اور اتفاق کی فضا پیدا کر دے تاکہ
دنیا کے تمام مسلمان اپنے مشترکہ دشمن اسرائیل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اہتمام و پیشکش

بفضلِ الٰہی و بہ تصدقِ آئمہ معصومینؑ

محمد وصی خاں

صدر مرکزی تنظیم عزاداری رجسٹرڈ

صدر انجمن ناصر العزا رجسٹرڈ ـــ صدر محفل حیدری ناظم آباد ۴

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے

جو کچھ ہو گا، تیرے کرم سے ہو گا۔ (غالبؔ)

کتاب ملنے کا پتہ محفلِ حیدری ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

۷۸۶

انتسابِ عقیدت

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ خمینی رہبر

اسلامی انقلابِ ایران کے اُن شہیدوں کے نام جنکی

عظیم قربانیاں

آج بھی عالمِ اسلام کے لئے مشعلِ راہ ہیں

مردِ سپاہی ہے وہ اُسکی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اُسکی پنہ لا الٰہ
(علامہ اقبال)

ناشر۔ السید محمد علی رضوی ... کتابت۔ معظم علی خان رام پوری۔
طباعت مشہور آفسٹ پریس ... تعداد ۱۱۰۰ بارِ اول مئی ۱۹۸۲ء
قیمت :۔ دس روپیہ ——— تصاویر بشکریہ
رضا انصاری چیف ایڈیٹر صدائے بلتستان کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحبِ ایماں بھی ہے وہ صاحبِ کردار ہے
ساری دنیا سو رہی ہے اور وہ بیدار ہے
جس کا ہر اقدام باطل کو تہہ و بالا کرے
وہ خمینی عالمِ اسلام کو درکار ہے

از: معجز جونپوری

دیکھ کر حسنِ مآلِ جہدِ حق کہتا ہے دل

آپ کے اقدام کو حاصل ہے تائید امامؑ

مسعود جونپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام خمینیؒ کی واپسی
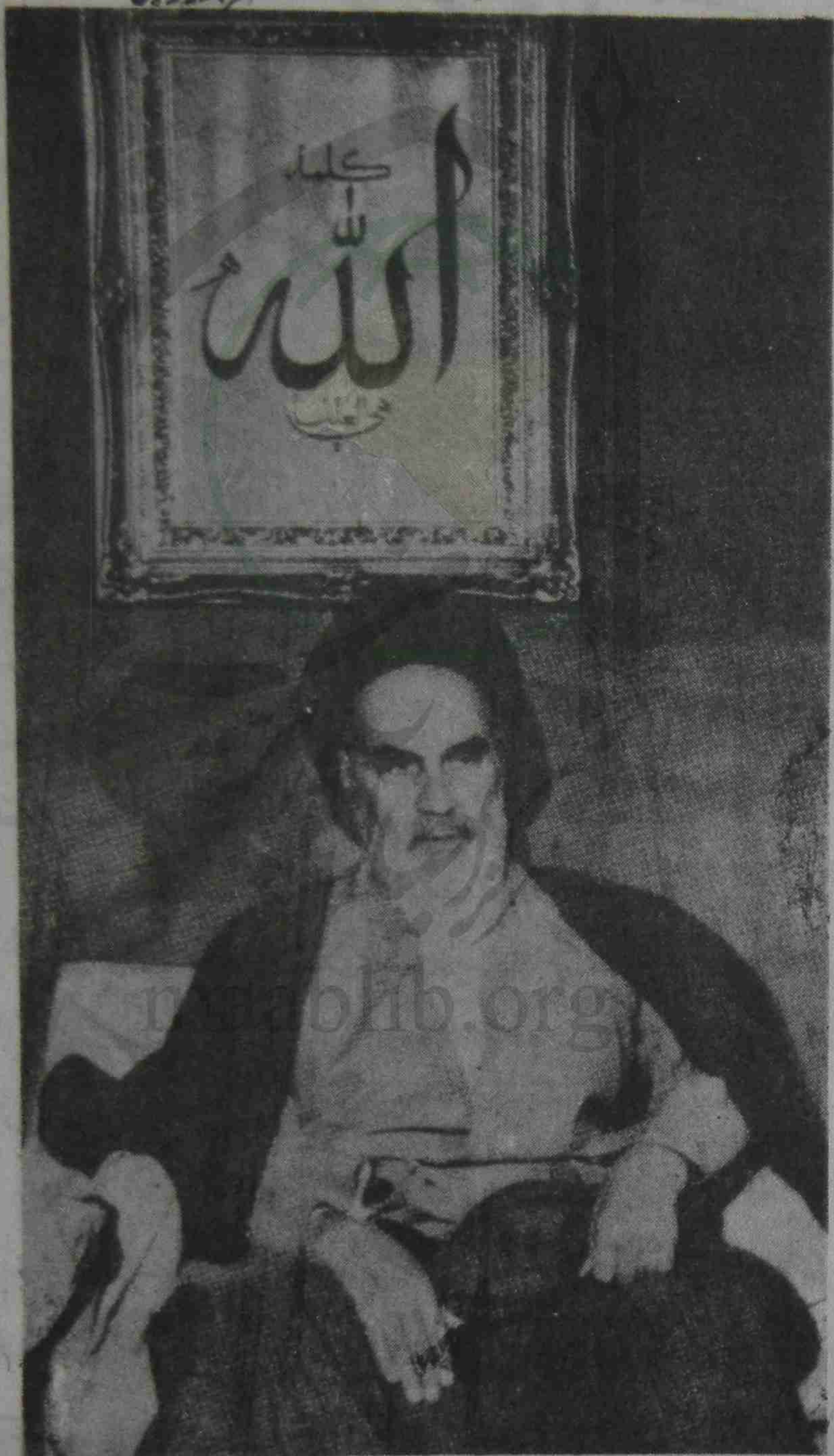
مصر کے صحافی محمد ہیکل کا شمار دنیا کے سربرآوردہ انتہائی باخبر اور موثر ترین صحافیوں میں ہوتا ہے مشرق وسطیٰ کی صحافی دنیا میں انہیں خاص مقام حاصل ہے وہ اُن صحافیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کو قریب بنتے بگڑتے دیکھا سربراہان مملکت اور حکومتوں کے اندرونی راز حاصل کئے تاریخ کے رخ بدلتے دھاروں کو قریب دیکھنے کے علاوہ انھوں نے خود بھی کئی تاریخ ساز واقعات میں نمایاں حصہ لیا محمد ہیکل مصر کے سابق اور مرحوم صدر جمال عبدالناصر کے معتمد خاص رہے ہے دنیا کے کئی سربراہان.. مملکت رہنماؤں اور سیاسی قائدین سے ان کے ذاتی مراسم رہے ہیں۔

محمد ہیکل کی اس سے پہلے قاہرہ کی دستاویزات "شاہراہ رمضان" "مصر اسرائیل جنگ ۷۳ء" اور "سفنکس اور کمیاد" کے نام سے کتابیں شائع ہوکر پوری دنیا میں شہرت حاصل کرچکی ہیں۔ حال ہی میں ان کی کتاب THE RETURN OF THE AYATOLLAH شائع ہوئی ہے اور اسے انقلاب ایران پر سب سے مستند اور فکرانگیز کتاب قرار دیا گیا ہے۔

امام خمینی کی قیادت میں ایران میں جو انقلاب آیا وہ اس صدی کا اہم ترین واقعہ ہے تاریخ اور عالمی سیاست پر اسکے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں ویتنام کے بعد امریکہ کو ایران کے شہنشاہ کے زوال اور ایران کے انقلاب کی صورت میں سیاسی شکست ہوئی۔

ایران کا انقلاب کیوں آیا؟ پس منظر کیا ہے؟ شہنشاہِ ایران ایک شخص ہے اور کیسا حکمران تھا؟ امام خمینی کون ہیں اور کس طرح وہ انقلاب ایران کے قائد بنے؟ اس موضوع پر یہ کتاب سند کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں ایسے چونکا دینے والے انکشافات ہیں جو اس سے پہلے کہیں شائع نہیں ہوئے۔

ایران کی سیاست اور تاریخ سے ساتھ محمد ہیکل کی دلچسپی بہت پرانی ہے شہنشاہ ایران کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم تھے محمد ہیکل نے امام خمینی سے پیرس میں اس وقت ملاقات کی جب خمینی وہاں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے انقلاب ایران کے بعد محمد ہیکل ایران گئے تھے امریکی سفارت کاروں کی رہائی کے لئے بھی محمد ہیکل نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ یوں وہ تاریخ کے ناظر کے ساتھ ساتھ خود تاریخ کا حصہ بھی بن چکے ہیں۔

امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ تنظیموں نے شاہ ایران کو تخت پر بٹھائے رکھنے کی اور عوامی انقلاب کو ناکام کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ایران کے عوام نے شاہِ ایران اور امریکہ اور اسرائیل کو شکستِ فاش دی۔ اس روئیداد سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حکمرانوں کے پول اس وقت کھلتے ہیں جب ان سے حکومت چھن جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ قوم اپنے بد دیانت اور نااہل حکمران کے خلاف اٹھ کھڑی ہو تو فتح قوم کی ہی ہوتی ہے۔ آخر میں سید رضا رضوی (شاہ گنج آگرہ) اور تکمیل نقوی صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی نظر ثانی فرمائی۔

محمود وصی خان۔

یکم مئی ۱۹۸۲ء۔ صدر۔ مرکزی تنظیم عزا (رجسٹرڈ)۔ کراچی

عالمِ اسلام کو تیرے جیسے قائد کی ضرورت ہے

اے خمینیؒ اے مجدّد، اے حرم کے پاسباں
مالکی و شافعی و جعفری پیر و جواں۔
تو نے بخشی ملّتِ ایراں کو وحدت کی زباں
ایک لہجے میں ادا کرنے لگے حق کی اذاں۔

٭

رضا شاہ

کس طرح بادشاہ بنا

دوسری جنگ عظیم کے عروج کے زمانے میں ایران کے حکمران رضا شاہ پہلوی کی ہمدردیاں جرمنوں کے ساتھ تھیں جون ۱۹۴۱ء میں جب نازی جرمن فوجیں روس کے اندر داخل ہو گئیں تو برطانوی اور روسی فوجوں نے ایران کو روند ڈالا انھوں نے پہلوی خاندان کے بانی رضا شاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بیٹے محمد رضا شاہ کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائے۔ یوں محمد رضا شاہ پہلوی ایران کا فرمانروا بنا۔

اس کے عروج اس کے زوال اور انقلاب ایران کی داستان حیران کن، خونچکاں اور دلدوز ہے شہنشاہِ ایران نے ایک ملاقات میں مجھے اپنے معزول باپ کے بارے میں بتایا کہ پہلی بار وہ اسے آخری ملاقات میں ایک باپ کے انداز میں ملا تھا ورنہ وہ امیر وقت فرمانروائے ایران کی حیثیت سے ہی اس سے برتاؤ کرتا تھا۔ جب باپ اور بیٹے۔ معزول اور نئے بادشاہ۔ کی آخری ملاقات ہوئی تو باپ (سابق حکمران) کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ نوجوان (نیا حکمران) جذباتی ہو رہا تھا۔ اُسے کوئی بات نہ سوجھ رہی تھی۔ اس کے باپ نے اس سے جو پہلی بات کی وہ ایک سوال تھا "کیا تم تخت پر قابض رہ سکو گے؟ بیٹے اور نئے حکمراں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بوڑھا معزول حکمران کہہ رہا تھا۔ "میں نے تخت پر قبضہ کیا۔ اگر ہم سے زیادہ طاقتور فوجیں مجھے شکست نہ دیتیں تو میں... لیکن میں تمہیں ورثے میں تخت اور حکومت سونپ رہا ہوں۔ کیا تم اسے سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہو؟

نئے بادشاہ نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دینے پر اکتفا کیا۔

"بیٹے ہوشیار رہنا"۔ باپ نے کہا۔ "آج ساری دنیا ایک طوفان کا سامنا کر رہی ہے جب تک یہ طوفان نہیں تھمتا سر جھکائے رکھو اس کے بعد کبھی مزاحمت ترک نہ کرنا"۔ پہلوی خاندان کے بانی اور معزول بادشاہ نے اپنے بیٹے اور نئے حکمراں سے کہا۔ "ایک بیٹا پیدا کر دو۔ ایک بیٹا پیدا کر دو"۔ یہ جملہ بڑبڑاتے ہوئے سابق شاہ کمرے سے نکل گیا پھر وہ ایران سے نکل گیا۔ جنوبی افریقہ چلا گیا اور وہیں مر گیا۔

جنوبی افریقہ جاتے ہوئے وہ ایک ہیرے جواہرات سے مرصع تلوار بھی ساتھ لے گیا تھا جو ایران کے قدیم شاہان میں سے کسی ایک کی تھی۔ جب رضا شاہ ایران کے تخت پر بیٹھا تو اپنی تاجپوشی کی رسم پر اس نے یہی تلوار باندھی تھی۔ اسے یہ تلوار بہت عزیز تھی۔ جلاوطنی کے زمانے میں بھی وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ جلاوطنی میں مرا تو اسکی بیوہ نے یہ تلوار اس کی لاش کے تابوت میں رکھوا دی تھی۔ بیوہ ملکہ نے اجازت طلب کی کہ لاش کو ایران میں دفنایا جائے لیکن اسے ایران پر قابض برطانوی حکمرانوں نے اس کی اجازت نہ دی۔ اجازت نہ ملنے پر اس کا تابوت مصر لایا گیا جہاں رفاعی مسجد میں اسے بطور امانت دفن کر دیا گیا۔

۱۹۸۰ء میں جب پہلوی خاندان کا دوسرا حکمراں شہنشاہ ایران جلاوطنی کے عالم میں مصر پہنچا تو اس کے میزبان مصر کے انورالسادات نے اس کے لئے ایک محل تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن شہنشاہ ایران سرطان کے موذی مرض میں مبتلا تھا۔ اس کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو حکم دیا گیا کہ اسی مسجد رفاعی میں اس کا یادگار مقبرہ بنایا جائے۔ اسی مسجد رفاعی میں شہنشاہ ایران کو بھی بطور امانت دفن کیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ایران سے برطانوی اور روسی فوجیں چلی گئیں تو ایران کے پہلے پہلوی بادشاہ کا تابوت مصر سے قبر سے نکال کر تہران لایا گیا۔ جب تابوت کھولا گیا تو اس میں لاش موجود تھی لیکن ہیرے جواہرات سے مرصع تلوار غائب تھی۔ شاہ کی بیوہ ملکہ

تاج الملوک بھی موجود تھی۔ اُسے تلوار غائب پاکر بہت صدمہ ہوا۔ اصل میں اس تلوار کی شہرت مصر کے شاہ فاروق نے سن لی تھی اور اس کے حکم سے تابوت کھول کر تلوار نکال لی گئی تھی۔

ایران کے نئے حکمران محمد رضا شاہ پہلوی کی شادی مصر کے حکمران شاہ فاروق کی ہمشیرہ شہزادی فوزیہ سے ہو چکی تھی۔ تلوار کی گمشدگی نے فوزیہ کی زندگی اجیرن کردی۔ اس کی ساس یعنی شاہ کی والدہ تاج الملوک اٹھتے بیٹھتے اُسے طعنے دیتی تھی۔ "تو پھر تمہارے ملک میں شاہی خاندان کے کرتوت یہ ہیں۔ ہمارا پہلوی خانوادہ تمہارے شاہی خانوادے کے مقابلے میں قدیم نہیں لیکن ہمارے خاندان میں کوئی چور نہیں۔

شہنشاہِ ایران اور شہزادی فوزیہ کی شادی پہلے ہی کامیاب نہ تھی۔ ملکہ تاج الملوک کے طعنوں نے تو اس رشتے کو اور بھی کمزور کر دیا۔ اور شاہ ایران کی جڑواں بہن شہزادی اشرف کو بھی فوزیہ پسند نہ تھی۔ اس کے علاوہ شہزادی فوزیہ نے ایک بیٹی کو جنم دیا شاہِ ایران کو بیٹا کی ضرورت تھی۔ فوزیہ جب مصر گئی تو شاہِ فاروق نے اسے واپس تہران بھیجنے سے انکار کر دیا۔ شاہِ ایران نے فوزیہ کو طلاق دے دی۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۰ء تک کے دس برسوں میں وہ بیج بوئے گئے جن کی فصل ۱۹۷۹ء میں کٹی۔ اگست ۱۹۴۱ء میں ایران کی حیثیت ایک شاہراہ عظیم کی سی تھی۔ ایران کے راستے سے روسی محاذ پر متحدہ افواج کو اسلحہ کی سپلائی جاتی تھی۔ جب پرل ہاربر پر جاپانیوں نے حملہ کیا تو امریکہ بھی جنگ عظیم میں شریک ہو گیا۔ ایران میں جس پر ایک صدی سے روس اور برطانیہ کے درمیان رسہ کشی ہو رہی تھی اس میں ایک نیا طاقتور فریق شامل ہو گیا۔ یہ امریکہ تھا۔ خلیج کے علاقے میں ۱۹۴۱ء کے بعد امریکی فوج اور اس کے ماہر اور مشیر عام دکھائی دینے لگے امریکیوں کے لئے دنیا کا یہ خطہ حیران کن اور بہت دلچسپ تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب امریکی حکومت اور امریکی سرمایہ داروں نے اس خطے میں دلچسپی لینی شروع کی اور اس سے بھرپور

انداز میں فائدے اٹھانے کی تیاری کرنے لگے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے تک امریکہ خلیج اور مشرق وسطی کے ممالک اور بالخصوص ایران کے بارے میں اپنی پالیسی بنا چکا تھا۔ جنگ عظیم ختم ہوئی تو امریکہ کے سیکرٹری آف اسٹیٹ ڈین ایچیسن نے اپنے ایک بیان میں کہا۔ ایران کی بہتری اور بہبود کے معاملات کے سلسلے میں امریکہ کی حیثیت برطانیہ اور روس کے مقابلے میں بہت اچھی اور مؤثر ہے۔ کیونکہ ایران کی نگاہوں میں نہ تو ہم مشکوک ہیں اور نہ ہی غیر موزوں۔ جب کہ دوسری دونوں طاقتوں کے بارے میں ایران یہی رائے رکھتا ہے۔

اس وقت ایران کی صورت حال مخدوش تھی۔ دوسری جنگ عظیم روسیوں اور برطانوی افواج کے تسلط کے زخموں سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ ایران کا جوان حکمران محمد رضا شاہ پہلوی ناتجربہ کار تھا۔ یہ سمجھے بغیر وہ امریکیوں سے امیدیں وابستہ کر چکا تھا کہ اسے امریکی امداد کی جتنی ضرورت ہے اس سے زیادہ امریکہ کو اس کی ضرورت ہے۔

اُس وقت شاہِ ایران ایک پریشان انسان تھا اس کے باپ کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس نے بھی اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب اس پر جن ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا وہ ان کے تصور سے ہی خوفزدہ تھا۔ ملک کی حالت ابتر تھی۔ پریشانیوں اور مسائل کے انبار تھے اس کی ایسی صلاحیت نہیں تھی کہ اکیلا کوئی اہم فیصلہ کر سکتا۔ روسی اور برطانوی افسرں کو جن کے ساتھ اس کا رابطہ قائم تھا وہ قابل اعتماد نہ سمجھتا تھا۔ پھر ایران میں پرانے سیاسی لیڈروں سے بھی اسے زیادہ امیدیں نہ تھیں اس زمانے میں جو نمایاں سیاستدان تھے ان میں ایک تو سید ضیا طبا طبائی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ۱۹۲۱ء میں شاہِ ایران کے والد کی حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد کی تھی اور اُسے پہلوی خاندان کا بانی بنا دیا تھا دوسرا نمایاں رہنما ایک بڑے جاگیردار کا جاگیردار اور دولت مند فرزند ڈاکٹر محمد مصدق تھا۔ اسکی والدہ سابق شاہی خاندان قاچار سے تعلق رکھتی تھی اگر کسی سیاستدان پر شاہ کو تھوڑا بہت اعتماد تھا

تو وہ حسین اعلیٰ تھا! اسی کو اس نے اپنا وزیر دربار مقرر کیا۔

امریکیوں کے ساتھ شاہ ایران کا تعارف خوشگوار انداز میں نہ ہوا۔ نومبر دسمبر ۱۹۴۳ء میں دنیا کے بڑوں کی جو کانفرنس تہران میں ہوئی اس میں برطانیہ کا وزیر اعظم۔ روس کا اسٹالن اور امریکی صدر روزویلٹ نے شرکت کی تھی۔ شاہ ایران نے ان سربراہوں سے ملاقاتیں کیں لیکن صدر روزویلٹ نے آداب کو نظر انداز کر دیا اور خود شاہ ایران سے ملاقات کے لئے نہ گیا۔ سٹالن نے آداب کا خیال رکھا اور شاہ ایران سے ملاقات کرنے کے لئے خود گیا اور تین گھنٹوں تک اس سے بات چیت کی۔ واشنگٹن پہنچ کر صدر روزویلٹ نے شاہ ایران کو ایک عجیب و غریب ٹیلی گرام بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ حالات کے دباؤ کی وجہ سے تہران میں اس کا قیام مختصر تھا اس لئے وہ ایران کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا لیکن ایک بات جو اس کے مشاہدے میں آئی وہ یہ ہے کہ تہران کے پہاڑی راستوں پر درختوں کی کمی ہے اس لئے شاہ ایران کو اس کے مشورے پر غور کرتے ہوئے ان پہاڑی ڈھلوانی راستوں پر درخت لگانے چاہئیں۔

شاہ ایران نے اس پیغام کا سرکاری طور پر شکریہ ادا کیا اور صدر روزویلٹ کے مشورے پر عمل کرنے کا بھی اعلان کیا لیکن وہ صدر روزویلٹ کے اس رویے پر نالاں رہا بہر حال صدر روزویلٹ کا اس پیغام سے جو بھی مفہوم نکلتا ہو وہ اپنی جگہ یہی وہ دور ہے جب امریکہ ایران میں اس طرح داخل ہوا کہ آہستہ آہستہ ایران پر چھا گیا اور ایران امریکی حکومت کا آلہ کار بن گیا۔

مئی ۱۹۴۶ء میں روسی اور برطانوی فوجوں کا ایران سے کوچ مکمل ہو گیا۔ میں ۱۹۵۰ء کے موسم گرما میں پہلی بار ایران گیا شاہ ایران ملک کا حکمران تھا ۴ فروری ۱۹۴۹ء کو اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس میں وہ بال بال بچ گیا تھا ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک امریکی ایران میں اپنا اثر و نفوذ پھیلا چکے تھے اور ملک کے ہر شعبہ میں دکھائی دیتے تھے۔

سیاسی صورت حال بڑی مخدوش تھی۔ تودہ پارٹی روس نواز کمیونسٹ پارٹی سرگرم اور مقبول تھی۔ ایران کے معاشی حالات خراب تھے۔ شاہ ایران ڈانواڈول تھا اور ایران کے سیاسی لیڈر صورت حال کو سنبھالنے میں ناکام رہے تھے شہنشاہ ایران نے اپنی مطلق العنانی کی بنیادیں استوار کرنا شروع کردی تھیں۔

۲۵ مارچ ۱۹۵۰ء کو شاہ نے ایک معمر سیاست داں علی منصور کو وزیر اعظم مقرر کردیا۔ علی منصور کی رشوت خوری مشہور تھی۔ دربار اور شاہی خاندان کے افراد اس کو احمق سمجھتے تھے۔ امریکہ کا اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ ان دنوں ایران کے حالات پر ایک رپورٹ تیار کرکے امریکی پالیسی وضع کرچکا تھا جسمیں کہا گیا تھا کہ امریکی حکومت اگر ضرورت محسوس کرے تو ایران کی وزارت عظمیٰ کے عہدے کے لئے خود بھی کسی شخص کا نام تجویز کرکے اس کی اعانت کرسکتی ہے۔ شاہ ایران نے جب دیکھا کہ حالات پر اس کا نامزد وزیر اعظم قابو نہیں پاسکا تو اسے ۲۶ جون ۱۹۵۰ء کو وزارت عظمیٰ سے فارغ کرکے اس کی جگہ ایرانی فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف جنرل رزم آرا کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ امریکیوں کو اس کی نامزدگی پر مسرت ہوئی لیکن شاہ ایران کے بھائی پرنس عبدالرضا کے خیال میں جنرل علی رزم آرا ایک ایسے سانپ کی طرح تھا جو گھاس میں چھپا ہوا ہو۔

جنرل علی رزم آرا کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ شاہ ایران کی شخصیت اور طرز حکمرانی کے ایک اہم پہلو کو سامنے لاتا ہے اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں ہی شاہ ایران نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے اقتدار کو صرف فوج کے ذریعہ قائم رکھ سکتا ہے جنرل رزم آرا کا انتخاب اسی وجہ سے کیا گیا۔ اس وقت جنرل رزم آرا کی عمر ۴۹ برس تھی۔ وہ بھی اقتدار کا بھوکا تھا لیکن صورت حال مخدوش تھی ایرانی تیل کے ٹھیکیدار اور منتظم کمپنی AIOC کے ساتھ تیل کی قیمتوں میں اضافے کی بات چل رہی تھی۔ تیل کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے ۱۹۳۳ء میں شاہ ایران کے والد شاہ رضا شاہ کے زمانے میں یہ

کمپنی ایرانی حکومت کو ہر سال صرف ۴۰ لاکھ ڈالر ادا کرتی تھی۔ اب صورت حال مختلف تھی جولائی ۱۹۴۹ء میں نیا معاہدہ طے پایا۔ اسے منظوری کے لیے ایرانی مجلس میں فوری طور پر بھیجدیا گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ایرانی مجلس اس کی توثیق کرتی مجلس کو توڑ دیا گیا ۱۰ رجون ۱۹۴۹ء میں یہ معاہدہ منظوری کے لیے پارلیمانی سب کمیٹی کے اٹھارہ ارکان کے سامنے پیش ہوا جس کا چیئرمین ڈاکٹر مصدق تھا۔ جنرل رزم آرا اور شاہ ایران چاہتے تھے کہ یہ معاہدہ ہو جائے لیکن ڈاکٹر مصدق تیل کو قومی ملکیت میں لینے کا حامی تھا۔ عوام بھی ایرانی تیل کو قومی ملکیت میں لینے کا مطالبہ کرنے لگے۔

شاہ ایران نے جنرل حاجی علی رزم آرا کو وزیر اعظم بنایا تو اس کا نام اس نے حاجی رزم آرا لکھا۔ ایران میں حاجی صرف اس شخص کو نہیں کہا جاتا جو حج کعبہ سے فیضیاب ہوا ہو بلکہ ایسے لوگوں کو بھی حاجی کہتے ہیں جو ہجری سال کے پہلے دن پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ ایران نے جرنیل کو حاجی علی لکھ کر اسے ایک عام شہری قرار دینا چاہا تھا، فوجی نہیں۔ حاجی جنرل علی رزم آرا جب مجلس میں آیا تو اس نے وردی کی بجائے شہری لباس پہن رکھا تھا۔ ڈاکٹر مصدق نے مجلس میں ہی جنرل رزم آرا کے لتّے لینے شروع کر دیئے۔

"تم حاجی نہیں ہو" ڈاکٹر مصدق نے کہا۔ "تم ہمیں بیوقوف نہیں بنا سکتے تم جرنیل ہو۔ ایک بھیڑیا جو بلّی بنکر ہمارے سامنے آیا ہے۔ جس شخص نے تمہیں یہاں بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جاؤ"۔

ایران کی مجلس قانون ساز میں خوب شور ہوا اور آخر میں مجلس نے بطور وزیر اعظم جنرل علی رزم آرا کی نامزدگی کی تصدیق کر دی لیکن وہ کچھ نہ کر سکتا تھا اب شاہ ایران اور ڈاکٹر مصدق کے درمیان براہِ راست ٹھن چکی تھی۔ شاہ کا محل اور ڈاکٹر مصدق کے سیاسی جماعت نیشنل فرنٹ کے درمیان کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ ڈاکٹر مصدق کو ایرانی عوام نے اپنا رہنما اور رہبر تسلیم کر لیا تھا۔ تیل کو قومی ملکیت میں لینے کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔

ڈاکٹر مصدق دلچسپ شخصیت کا مالک تھا اس وقت اس کی عمر ۷۰ برس تھی لیکن وہ انتھک اور پر جوش انسان تھا۔ خطابت کے میدان میں اس وقت کوئی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ بڑی جذباتی اور پر جوش تقریریں کرنے کا ماہر تھا۔ ایسے انداز سے ایرانی عوام کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر رکھتا کہ نہ صرف سننے والے بلکہ وہ خود بھی زارو قطار رونے لگتا تھا۔ شدت جذبات اور شدت گریہ سے وہ غش کھا جاتا۔ مجلس کے ارکان اسے اٹھاتے اسے یوڈی کلون سنگھاتے، اس کو پانی پلاتے۔ ہوش میں آکر وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر پھر تقریر شروع کر دیتا۔ وہ ایرانی قوم کی امنگوں کی علامت بن چکا تھا۔ جیل کو قومی ملکیت میں لینے کے لئے وہ دل سے مخلص اور سنجیدہ تھا۔

مذہبی شعبے میں آیت اللہ ابوالقاسم کاشانی مصدق کا ساتھ دے رہا تھا۔ ایران میں زیر زمین خفیہ تنظیمیں بھی قائم ہو رہی تھیں۔ ایک کا نام فدائین اسلام تھا جس کا بانی نواب صفوی تھا۔ ایک دن نواب صفوی نے کسی اخبار میں ایک صحافی خوسری کا مضمون پڑھا جس میں اسلام کی اہانت کی گئی تھی۔ اس نے قم کے کسی آیت اللہ سے اس مضمون کے بارے میں فتویٰ مانگا۔ فتویٰ دیا گیا کہ اہانت اسلام کے مجرم کو اس کے اپنے معاشرے کے افراد کے ہاتھوں موت کی سزا ملنی چاہیئے۔ یہ صحافی وکیل بھی تھا۔ وہ کسی مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہونے جارہا تھا کہ اسے فدائین اسلام کے رضاکاروں نے قتل کر دیا۔ قاتل گرفتار ہوئے۔ انھوں نے اعتراف جرم بھی کر لیا۔ لیکن آیت اللہ کاشانی نے ان ملزموں کے اقدام کو سراہا۔

میں نے ان ملزموں کے مقدمے کی کارروائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے عدلیہ کی وہ پرانی عمارت جہاں فدائین اسلام کے خلاف مقدمے کی سماعت ہونے والی تھی ایک کمرے کو خوبصورت جھنڈیوں اور پرچموں سے سجایا گیا تھا۔ جب جج عدالت میں آیا تو پوچھا کہ عدالت کے کمرے میں یہ پرچم اور جھنڈیاں کس کے حکم سے لگائے گئے ہیں؟ بتلایا گیا

یہ اہتمام آیت اللہ کاشانی کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس خوشی میں عدالت کو سجایا گیا ہے کہ آپ ملزموں کے خلاف مقدمے کو خارج کر دیں گے۔ جج نے کہا کہ میں نے تو ابھی مقدمے کی سماعت شروع بھی نہیں کی۔ جج کو جواب دیا گیا کہ اس حقیقت سے ہم واقف ہیں لیکن آیت اللہ کاشانی کو آپ کے انصاف پر پورا اعتماد ہے۔ جج نے آیت اللہ کاشانی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ عدالت کے باہر ہزاروں انسانوں کا مجمع اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا تھا۔ جج نے ملزموں کے خلاف مقدمے کو خارج کر دیا۔

جنرل رزم آرا کو وزیر اعظم بنا دیا گیا تھا لیکن ڈاکٹر مصدق اور اس مقدمے کی کارروائی سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وزیر اعظم کی ایران میں کیا حیثیت تھی اور ایران کس موڑ پر کھڑا تھا۔

شاہ ایران کے ساتھ میری پہلی ملاقات شاہ کی ہمشیرہ شہزادی اشرف پہلوی کے محل میں ہوئی۔ اس محل میں نپولین کے سینکڑوں طرح کے مجسمے اور تصویریں سجائی گئی تھیں۔ شہزادی اشرف پہلوی کا آئیڈیل نپولین تھا۔ شہزادی اشرف طاقت اور اقتدار پسند تھی اس کے ڈرائنگ روم کے تمام صوفے اور کرسیاں چیتے کی کھالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

اس ملاقات میں شاہ ایران کو میں نے بڑا مایوس اور دل گرفتہ پایا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایرانی تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے حق میں نہیں۔ اس نے بتایا کہ ۸۱۵ امریکی تیل کمپنی کے اس وقت کم از کم تریپن ہزار ملازم ہیں اگر تیل کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو ان ملازموں کی تنخواہ کس طرح اور کہاں سے ادا کی جائے گی۔ اگر حکومت اتنی بڑی رقم قرض پر حاصل کرے تو اسے ادا کرنے میں چالیس پچاس برس لگ جائیں گے۔ پھر شاہ ایران کو یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ تیل کو قومی ملکیت میں لینے سے تیل کو بیرونی دنیا میں کس طرح پہنچایا جائے گا کیونکہ ان کے پاس ذرائع رسل و رسائل سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔

اس وقت جبکہ شاہ ایران ملکی سیاسی حالات کی وجہ سے شدید پریشان تھا وہاں وہ اپنی خاندانی اور نجی زندگی کے مسائل میں بھی بری طرح الجھا ہوا تھا ۱۲ فروری ۱۹۵۱ کو اس نے دوسری شادی کی تھی۔ اُسے اپنے والد کی ہدایت یاد تھی۔ بیٹا پیدا کرو۔ وہ جانتا تھا

کہ جب تک تخت کا وارث پیدا نہ ہوگا وہ مکمل طور پر نہ تو شہنشاہ بن سکے گا نہ ذاتی طور پر مطمئن ہو سکے گا۔ شاہ ایران کی یہ نئی ملکہ ثریا شہزادی اشرف کو بالکل پسند نہ تھی کیونکہ یہ رشتہ شہزادی اشرف نے نہیں کرایا تھا۔ یہ شادی شاہ کی دوسری بہن شہزادی شمس نے کرائی تھی جب شاہ ایران نے اپنی پہلی بیوی مصر کی شہزادی فوزیہ کو طلاق دی تو اس وقت سے اس کی دوسری شادی کے درمیانی عرصے میں شہزادی اشرف پہلوی کو ہی ایران کی خاتون اول کا درجہ حاصل رہا تھا اور ملکہ ایران کی جگہ وہی تمام فرائض انجام دیتی تھی۔ ثریا کے ملکہ بنجانے کے بعد اس کی حیثیت متاثر ہوئی جس وقت شاہ ایران اور ثریا کی شادی کی شاہانہ تقریب ہو رہی تھی تو شہزادی اشرف اس تقریب کو ادھورا چھوڑ کر اپنے محل میں چلی گئی۔

شاہ اپنی بہن فاطمہ کی وجہ سے بھی بہت پریشان تھا۔ شاہ کا بھائی پرنس عبدالرضا امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ چھٹیوں میں وہ اپنے ساتھ اپنے ایک امریکی دوست ونسنٹ ہلیئر کو ایران لے آیا۔ شہزادی فاطمہ اور ونسنٹ ہلیئر کی ملاقات ہوئی اور دونوں ایکدوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ شہزادی فاطمہ نے یکدم یہ فیصلہ کیا کہ وہ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے گی۔ یہ محض بہانہ تھا۔ امریکہ جا کر اس نے ونسنٹ ہلیئر سے شادی کر لی جس کا شاہ کو شدید رنج ہوا۔ ونسنٹ ہلیئر نے صاف صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ وہ اسلام قبول نہیں کرے گا۔ اس بنا پر بھی ایران کے عوام میں بڑی لے دے ہوئی اور یوں شاہِ ایران کی ساکھ خراب ہوئی۔

شاہِ ایران کا وزیر اعظم جنرل رزم آرا ایک مذہبی رہنما کے جنازے میں شرکت کے لئے مسجد میں داخل ہو رہا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل جو اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا تھا گرفتار کر لیا گیا جب قاتل سے اس کا نام پوچھا گیا تو اس نے عبداللہ بتایا جس کا مطلب ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں جب اس سے نام بتانے پر اصرار کیا گیا تو قاتل نے کہا میں موحدی ہوں یعنی ایک خدا کو ماننے والا۔ بعد میں پتہ چلا اس کا نام خلیل تھا اور وہ فدائین اسلام کا ایک رکن

تھا۔

شاہ ایران کو اپنی وقعت اور حیثیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس کے نامزد کردہ وزیر اعظم کا قتل دراصل شاہ کو یہ جتلانے کے مترادف تھا کہ اس کے آدمی کو لوگ پسند نہیں کرتے۔ ایران کے اخبار "انصاف" میں جنرل رزم آرا کے قتل کے حوالے سے ایک خاکہ اس طرح شائع ہوا کہ آسمانوں سے ایک فرشتے کا بڑھا ہوا ہاتھ دکھایا گیا تھا جس کی انگلیوں میں ایک دھواں نکلتا ہوا ریوالور تھا۔ اس خاکہ کا عنوان "آخری بوسہ" رکھا گیا۔ اس موقع پر آیت اللہ کاشانی نے ایک بیان میں کہا کہ وہ گولیاں مقدس تھیں جن سے جنرل رزم آرا کی موت واقع ہوئی ہے۔ تیل کو ہر حالت میں قومی ملکیت میں لیا جائیگا اور غداروں کو ان کے اپنے خون میں نہلا دیا جائے گا۔

نواب صفوی نے شاہ کے نام ایک پیغام شائع کرایا جس میں شاہ کو ہر طرح کے القابات و خطابات سے محروم کر کے صرف "مسٹر پہلوی" کہا گیا۔ اس پیغام میں نواب صفوی نے مطالبہ کیا کہ جنرل رزم آرا کے قاتل کو فی الفور رہا کر دیا جائے۔

شاہِ ایران کی بے وقعتی اور بے بسی کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کوئی مذہبی مُلّا یا امام جنرل رزم آرا کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ ایک امام کو جنازہ پڑھانے کے لئے بیس ہزار پونڈ کی رقم کی بھی پیشکش کی گئی لیکن اُس نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہا "زندگی کی قیمت ان روپوں سے کہیں زیادہ ہے"۔

جنرل رزم آرا کے قتل سے ایرانی فوج کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ جب شاہِ ایران کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ اس کا وزیر اعظم جنرل رزم آرا قتل کر دیا گیا ہے تو وہ بھونچکا رہ گیا۔ وہ بڑبڑانے لگا "میں اسے نہیں مان سکتا۔ میں اس پر یقین نہیں کر سکتا" پھر وہ بے بسی کے عالم میں بولا۔ "میں کیا کروں ... کیا کر سکتا ہوں ... میں تن تنہا ہوں ... کسی کو میرے مسائل کا خیال نہیں۔ ہر شخص میرے خلاف سازش میں مصروف ہے۔

شاہ ایران نے نائب وزیر اعظم فہمی کو مجلس میں بھیجا۔ اسے تین متوقع نامزد امیدواروں کے نام دیئے گئے تھے کہ مجلس ان میں سے کسی ایک کی بطور وزیر اعظم تائید و تصدیق کر دے۔ نائب وزیر اعظم فہمی مجلس میں گیا۔ اسپیکر فخر حکمت نے جنرل رزم آرا کی المناک موت پر کچھ کہنا شروع کیا۔ ڈاکٹر مصدق نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ۔ یہ بکواس بند کریں۔ آپکو چاہیئے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور نعرہ لگائیں تیل کی قومی ملکیت زندہ باد۔ سپیکر نے کچھ مزاحمت کی کوشش کی تو مجلس میں نعرے گونجنے لگے۔ اسپیکر نے نائب وزیر اعظم فہمی کو بولنے کی دعوت دی۔ فہمی نے مجلس کو بتایا کہ وہ شاہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہے تاکہ نئی کابینہ بنائی جا سکے۔

ڈاکٹر مصدق نے اٹھ کر کہا: شاہ نئی کابینہ بنانے والا کون ہے۔ یہ تو مجلس کا فریضہ ہے کہ وہ نئی وزارت تشکیل دے۔ مجلس کے ارکان نے شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ سب مصدق کی حمایت میں بول رہے تھے اس بدنظمی اور ہٹڑبونگ کو ختم کرنے کے لئے سپیکر نے ایک گھنٹے کے لئے اجلاس ملتوی کر دیا۔

اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو نائب وزیر اعظم فہمی دیکھنے میں نہیں آیا۔ سپیکر نے مجلس کے ارکان کو ان تین افراد کے نام سنائے جنہیں شاہ نے وزیر اعظم کے عہدے کے لئے تجویز کیا تھا۔ مجلس کے ارکان نے اس طریقہ کار کے خلاف شدید احتجاج کیا اور کہا کہ یہ ملک عوام کا ہے اور عوام کے نمائندوں کو حکومت بنانے کا حق ہے شاہ ایران کو وزیر اعظم نامزد کرنے یا کابینہ بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد مصدق نے اسپیکر کو مخاطب کر کے کہا: "آپ نے جو کچھ سنا ہے شاہ کو بتا دیجئے"۔ اس کے بعد مجلس میں مزید بحث ہوئی جس کے نتیجہ میں شاہ کے نامزد کردہ افراد کو مجلس نے مسترد کر دیا۔ اب واضح ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر مصدق وزیر اعظم بنکر رہے گا۔

۹ اپریل کو ڈاکٹر مصدق نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا۔ ۳۰ اپریل کو تیل کو قومی ملکیت میں لینے کا قانون منظور کیا گیا تیل کی ٹھیکیدار کمپنی نے ایرانی خزانے کو رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حکومت کے کئی سرکاری محکموں کے ملازموں کی تنخواہ کی ادائیگی اسی وجہ سے نہ ہو سکی۔ ۲۶ اپریل کو برطانوی حکومت نے ایران کے خلاف عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ دائر کر دیا۔ معاملات کو سلجھانے کے لئے امریکی نمائندے ایورل ہیری مین اور برطانوی وزیر رچرڈ سٹوکر کے درمیان مذاکرات ہوئے لیکن کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ ۲۱ جولائی کو برطانیہ نے اس معاملے کو اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ ایران کی طرف سے بذات خود وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق اقوام متحدہ میں گئے۔

اس وقت تک کئی امریکی سرمایہ دار منظر پر چھا جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

۱۹۵۳ء کا سال آیا۔ اگرچہ ڈاکٹر مصدق کی حکومت مصائب کا سامنا کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکی تھی لیکن ملک میں بیروزگاری بڑھتی جا رہی تھی حالات خراب ہو رہے تھے ڈاکٹر مصدق کو سرکاری اور انتظامی امور کا تجربہ نہ تھا پھر ڈاکٹر مصدق اور آیت اللہ کاشانی کی بھی آپس میں ٹھن گئی۔ شاہ ایران کی حیثیت بے اثر ہو کر رہ گئی تھی ملک پر ایرانی مجلس اور ڈاکٹر مصدق کا غلبہ ہو چکا تھا۔ موقع پرست افراد نے ایران چھوڑ دینے میں عافیت سمجھی اور کویت، شارجہ اور مغربی ممالک کا رخ کیا۔

ادھر عالمی سیاست کے افق پر ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں مصر میں شاہ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور جمال عبد الناصر کی شخصیت سامنے آئی۔ ایران کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ شاید ان ہی وجوہات کی بنا پر اسٹالن نے اپنی موت سے کچھ عرصے پہلے کہا تھا کہ اب ایران پکے ہوئے سیب کی طرح روس کی جھولی میں آگرے گا۔ لیکن امریکہ موقع کی تلاش میں تھا جب شاہ ایران سیر و تفریح کے بہانے ملک سے باہر گیا تو یہ پیشگوئی آسان نہیں تھی کہ وہ شہنشاہ کی حیثیت سے ایران

واپس آجائے گا یا باقی عمر جلا وطنی میں گزارے گا۔

کرمیٹ روزویلٹ نے جو اس وقت سی آئی اے کا سربراہ تھا اپنی کتاب COUNTER COUP میں لکھا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے اواخر میں اس نے ایران کے ان عناصر سے سی آئی اے کے حوالے سے رابطہ قائم کر لیا تھا جو مصدق کے مخالف تھے مصدق کے برسراقتدار آنے سے پہلے ہی سی آئی اے نے ان امور پر غور کرنا شروع کر دیا تھا کہ امریکہ کس طرح شاہ ایران کو اپنا مہرہ بنا کر ایرانی تیل کے مفادات کا بلاشرکت غیرے اجارے دار بن سکتا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ فوسٹر ڈلس کو اعتماد میں لیا جا چکا تھا۔ امریکی صدر آئزن ہاور سے تائید حاصل کی جا چکی تھی۔ شاہ ایران کی واپسی اور مصدق کی معزولی کے لیے امریکی سی آئی اے نے "آپریشن اجاکس" کے نام سے سازش کا منصوبہ بنایا۔ مصدق کو گرفتار کر کے اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ۲۲ اگست ۱۹۵۲ء کو یہ منصوبہ کامیاب ہوا اور شاہ ایران واپس ملک میں آ گیا۔

مصدق کے حامی یا تو فرار ہو رہے تھے یا چھپ گئے تھے یا پھر انہیں حراست میں لیا جا رہا تھا۔ چند دنوں تک ڈاکٹر مصدق اپنے ایک دوست کے ہاں چھپا رہا لیکن جب اس نے ریڈیو پر اپنی گرفتاری کا حکم سنا تو خود ہی پولیس اسٹیشن اپنی گرفتاری کے لئے چلا گیا۔

ڈاکٹر مصدق کے بیٹے کا بیان ہے کہ گرفتاری کے بعد ڈاکٹر مصدق کو شدید مظالم اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اُسے پانی میں کھڑا کر دیا گیا جو اس کی کمر سے اوپر تک پہنچتا تھا۔ گھنٹوں اسے پانی میں کھڑا رکھا جاتا تھا۔ اس کو فالج ہو گیا۔ پانچ برس تک اسے جیل میں رکھا گیا اور پھر اسے رہا کر دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اس وقت تہران کی حالت کسی مفتوحہ شہر کی سی تھی۔ شاہ کی وفادار فوج اور پولیس اُن تمام لوگوں کو گرفتار کر کے فوری سزا سنا رہی تھی جن پر مصدق کی حمایت کا ذرا بھر بھی شبہ ہوتا تھا۔ ڈاکٹر مصدق کے وزیر خارجہ حسین فاطمی کو بازار میں گولی مار دی گئی۔

ساری قوت اور اختیار تہران میں واقع امریکی سفارت خانے کو حاصل ہو چکا تھا سی آئی اے نے شاہ ایران کی واپسی اور مصدق کی معزولی کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور کامیابی کے بعد ایرانیوں کی قسمت کی مالک بن بیٹھی سی۔ آئی اے کے کارندوں نے شاہ کے مخالف علماء کے گھروں کی تلاشیاں لیں۔ قم، شیراز، تبریز اور اصفہان جہاں مصدق کے حامیوں کی اکثریت تھی۔ ایرانی علماء بھی وہیں رہتے تھے ان شہروں کی تلاشی لی گئی تہران میں ڈاکٹر مصدق کے گھر پر بلڈوزر پھیر دیا گیا۔

شاہ کے موقع پرست حامی اور مصدق کی پالیسیوں کے مخالف ایرانی سرمایہ دار اور رہنما جو ملک میں خاموش تھے یا ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے بیدار ہو گئے۔ انھوں نے سی آئی اے سے تعاون شروع کیا اور آنے والے دور میں شاہ سے وفاداری کے صلے میں دولت اور اختیار سے خوب ہاتھ رنگے۔ ایران کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔

امریکہ نے فوری طور پر ایک خطیر رقم ایران کو فراہم کر دی۔

تیل پر جس کے لئے یہ سارا ڈرامہ کھیلا گیا تھا امریکہ اور ایران کا سمجھوتہ ہو گیا۔ اب ایران کے تیل میں ۴۰ فیصدی امریکہ کا حصہ تھا امریکہ یہی چاہتا تھا۔ انگریزوں کی طویل اجارہ داری کا خاتمہ ہو گیا۔

ان لوگوں کو جنہوں نے شاہ ایران کی بدبختی کے دور میں اس کے ساتھ وفاداری برقرار رکھی تھی، فراخدلی سے نوازا۔ کرنل نصیری نے ڈاکٹر مصدق کو یہ حکم سنایا تھا کہ اسے وزارت عظمیٰ سے معزول کیا جا رہا ہے اسے ترقی دے کر جنرل بنا کر ایران کی بدنام زمانہ سرکاری خفیہ تنظیم "ساواک" کا سربراہ بنا دیا گیا جنرل فضل اللہ زاہدی نے سی آئی اے کے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے تہران میں "آپریشن اجاکس" کو عملی صورت دی تھی۔ اسے مصدق کے بعد ایران کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اس کے بیٹے اردشیر کو جس نے سی آئی اے کے ساتھ امریکہ میں منصوبے پر کام کیا تھا شاہ ایران نے اپنی بیٹی شہناز کی شادی کر کے اسے اپنا داماد بنا لیا اور بعد میں امریکہ میں ایران کا سفیر مقرر کیا گیا۔

کیپٹن خاتمی شاہ ایران کے طیارے کا پائلٹ تھا وہ شاہ کو ایران سے اڑا کر نکال لے گیا تھا۔ اسے ایرانی فضائیہ کا سربراہ بنادیا گیا جب شہزادی فاطمہ نے اپنے امریکی شوہر سے طلاق لے لی تو اس کی شادی خاتمی سے کردی گئی۔ مجلس کے ڈپٹی اسپیکر شریف امامی نے شاہ کا ساتھ دیا تھا۔ اسے شاہ نے پہلوی فاؤنڈیشن کا چیئرمین اور بعد میں وزیر اعظم بنا دیا۔ کرمیٹ روز ویلٹ کو جس نے "آپریشن اجاکس" کا منصوبہ تیار کیا تھا انعام سے نوازا گیا اور شاہ نے اسے عرصہ تک تیل کے معاملات کا خصوصی مشیر بنائے رکھا۔

شاہ ایران ہاتھ سے نکلے ہوئے اقتدار پر قابض ہو چکا تھا اب مسئلہ یہ تھا کہ کون سے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ شاہ کا اقتدار ہمیشہ مستحکم رہے اور کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ امام خمینی کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد شاہ کے ایک محل سے ایسی کئی دستاویزات ملی ہیں جن میں سی آئی اے نے شاہ کو رپورٹ پیش کی تھی کہ وہ ان امور پر توجہ دے تو اس کا اقتدار ہمیشہ مستحکم و مضبوط رہے گا۔ اس رپورٹ میں سات نکات پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔

۱۔ شاہ کو ایرانی عوام کا باپ بنا دیا جائے اس کا یہ بت تراشا جائے کہ وہ .. "فرمانروائے ایران" ہے۔

۲۔ ابلاغ کے تمام ذرائع سے بھرپور کام لیتے ہوئے شاہ اور تخت ایران کی عظمت کا سکہ عوام کے دل پر بٹھا دیا جائے۔ عورتوں کی آزادی اور حقوق کی تحریک وسیع پیمانے پر چلائی جائے ایران کی نصف سے زیادہ آبادی عورتوں پر مشتمل ہے۔ اگر عورتوں کے دلوں میں شاہ کی عظمت بٹھا دی جائے تو پھر شاہ کی حیثیت بہت مضبوط اور مستحکم ہو جائے گی۔

۳۔ ملک میں ایک ایسا متوسط طبقہ پیدا کیا جائے جو شاہ کا حامی ہو اور اس کی تمام ہمدردیاں شاہ کے ساتھ ہوں۔

۴۔ سیاست کی دنیا میں نئے لوگوں کو متعارف کرایا جائے جو شاہ کے حامی اور ہوشمند ہوں

۵۔ شاہ ایران عالمی اور مشرق وسطیٰ کی سیاست اور معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے تاکہ عالمی سطح پر اسکی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

۶۔ مذہبی امور میں شاہ خصوصی دلچسپی لے تاکہ مذہبی علماء کے گڑھ قم کے علماء کی شہرت ختم ہو۔ شاہ ہر ہفتے ایک نئی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے جائے۔

۷۔ ملک میں حکومت کا خفیہ محکمہ مؤثر اور خود مختار بنا دیا جائے۔ اسکی تمام تر وفاداری شاہ کے ساتھ ہو

اس آخری ہدایت پر شاہ ایران نے خاص طور پر توجہ دی۔

اپنی خفیہ پولیس بنائی اور ساواک کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ ساواک کم و بیش سی آئی اے کی ہی ایک ذیلی شاخ تھی۔ فوج اور ہر محکمہ کے اندر اسکے کارندے (جاسوس اور مخبر) موجود تھے۔ ساواک کی نگرانی امریکی کرتے تھے۔ فوج کے لئے ایک نئی حکمت عملی کا آغاز ہوا۔ فوج کے اہم افسروں کا آپس میں کوئی رابطہ نہ رہنے دیا گیا۔ چیف آف آرمی اسٹاف اور چیف آف جنرل اسٹاف کے عہدے ختم کر دیئے گئے فوج، نیوی، اور ایئر فورس کے کمانڈر انچیف خود شاہ کو ہر معاملے کی رپورٹ بنفس نفیس کرتے تھے۔ شاہ فوج کو اپنا مطیع اور وفادار بنائے رکھنے کے لئے نہیں چاہتا تھا کہ ان میں باہمی طور پر کسی طرح کا رابطہ یا تعاون ہو۔ رابطے اور تعاون سے ہی سازشیں جنم لیتی ہیں۔

شاہ کی خطرناک چال

شاہ نے یہ بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ فوجی رسل و رسائل کے جملہ ذرائع یعنی راڈر سسٹم، وائرلیس سسٹم، ٹیلیگراف سسٹم وغیرہ وغیرہ پر صرف بہائیوں کو (غیر شیعہ) تعینات کر رکھا تھا۔ اور یہ نوکری صرف انہی لوگوں کے لئے مخصوص تھی۔

شاہ نے کٹھ پتلی سیاستدانوں کی کھیپ بھی تیار کرنا شروع کر دی۔ امیر عباس ہویدا جو کہ ایک بہائی تھا نے طویل مدت کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالے رکھا اور انقلاب ایران میں مارا گیا ہوشنگ انصاری ایک صحافی تھا جو شاہ کو پسند آگیا۔ شاہ نے اسے اپنا وزیر اطلاعات بنا دیا ہبشیہ آموزگار بھی شاہ نے دریافت کیا۔ اور اسے سیاستدان بنا دیا۔ یہ لوگ بنیادی طور پر مختلف پیشوں اور شہری ملازمتوں سے تعلق رکھتے تھے جو اچھے ڈپلومیٹ تھے نہ سیاستدان تھے

لیکن شاہ کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ شاہ کی نگاہوں میں یہ سب سے بڑی خوبی تھی۔

شاہ نے اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لئے اخباروں اور رسالوں پر قبضہ کر لیا۔ جب میں تہران گیا اور صحافیوں سے ملا تو کئی صحافیوں نے آنسو بہاتے ہوئے مجھے بتایا کہ وہ صحافت کے تقاضوں کو بالکل پورا نہیں کر سکتے۔ ہر اخبار کو اپنے پہلے صفحے پر نمایاں طور پر ہر روز شاہ ایران کی تصویر ایرانی قوم کے باپ کی حیثیت سے شائع کرنی ہوتی ہے۔

اس حکم کی پابندی کی وجہ سے بعض لوقات بڑی بڑی مضحکہ خیز باتیں بھی سامنے آئیں جب جمال عبدالناصر کا انتقال ہوا تو تہران کے مشہور اخبار "کیہان" نے جمال عبدالناصر کی موت کی خبر کو شہ سُرخی بنایا۔ جب اخبار سنسر کے لئے گیا تو سنسر والوں نے پہلا حکم یہ دیا اخبار کا پریس بند کر دیا جائے پھر حکم دیا گیا کہ پہلے صفحہ کو نئے سرے سے مرتب کیا جائے اور شاہ ایران کے بارے میں سُرخی لگائی جائے۔ دوسری اہم خبر جمال عبدالناصر کی موت کی بنائی جائے۔

شاہِ ایران کے حکم سے اخبار والوں کو سُرخ رنگ استعمال کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی۔ کیونکہ شاہ کے خیال میں سرخ رنگ انقلاب کی علامت تھا۔ شاہِ ایران کے دور میں ایسا کوئی ڈرامہ نہ کھیلا جا سکتا جس میں کسی بھی بادشاہ کو قتل ہوتے دکھایا گیا ہو اور تو اور شیکسپیئر کے مشہور کھیل "ہیملٹ" کے بھی ایران میں کھیلے جانے پر پابندی تھی۔

شاہِ ایران نے سی آئی اے کے اشاروں اور ہدایات پر سختی سے عمل کیا اور پھر وہ اپنے ہی تیار کرائے ہوئے پروپیگنڈے کو حقیقت تسلیم کر کے اپنے آپ کو مطلق العنان، مقبول عوام اور با اختیار شہنشاہ سمجھنے لگا۔ اس کی واپسی کے بعد اس کے خلاف مزاحمت خاصی حد تک کمزور بھی پڑ چکی تھی لیکن سو فیصدی ختم نہ ہوئی تھی۔ شاہ نے اسے اپنی مستقل فتح سمجھا حالانکہ زیر زمین اس کے خلاف طوفان جمع ہو رہا تھا۔ ہزاروں نوجوان ملک چھوڑ کر چلے گئے اعداد و شمار کے مطابق دو برسوں میں پچاس ہزار نوجوان ایران سے چلے گئے۔ یہ طالبعلم

ایران سے باہر دوسرے ملکوں میں شاہ اور اس کی حکومت کے خلاف محاذ بنارہے تھے

وہ باشعور عناصر جو ایران میں رہ گئے تھے یہ سوچنے لگے کہ حالات نے اس طرح کیوں پلٹا کھایا ہے؟ کیا مصدق واقعی ناکام ہوگیا تھا؟ کیا تیل کو قومی ملکیت میں لینا اس کی غلطی تھی جس کا اسے خمیازہ بھگتنا پڑا بہرحال اس بحران میں لوگوں میں سوچنے کی صلاحیت ابھر آئی اور ان کا سیاسی شعور بیدار ہوگیا۔ ڈاکٹر مصدق کو ایرانی مجلس نے وزیر اعظم چنا تھا اور اس کو عوام کی اکثریت حاصل تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ ایران میں جمہوریت کو پنپنے کا موقع نہ دیا گیا اس کا رد عمل وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہوتا ہے زیر زمین تنظیموں کو قائم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں مجاہدین خلق نامی گوریلا تنظیم قائم ہوئی جس میں زیادہ تر ایسے لوگ شامل ہوئے جن کی ہمدردیاں ڈاکٹر مصدق کے نیشنل فرنٹ سے تھیں۔ مجاہدین خلق کا ڈھانچہ اسلامی اصولوں کے مطابق تیار ہوا۔

ایک دوسری تنظیم فدائین خلق بھی بنی۔ یہ ایران کی تودہ پارٹی کی وارث تھی اور اس پر مارکسزم کی چھاپ بہت گہری تھی ان دونوں خفیہ اور گوریلا تنظیموں نے شاہ ایران کی خفیہ پولیس "ساواک" اور شاہ کی حکومت کے خلاف تشدد کی پالیسی کو اپنایا۔ فدائین خلق نے بعد میں فلسطین کی تنظیم آزادی کے اس گوریلا گروپ سے اپنا گہرا تعلق قائم کر لیا جس کی سربراہی جارج حباش کر رہا ہے۔

شاہ کی حکومت کے تین بڑے مخالف ابراہیم یزدی، صادق قطب زادہ (جو خمینی کی انقلابی حکومت میں وزیر خارجہ بنے) اور مصطفیٰ شمران ایران چھوڑ کر مصر چلے گئے۔ وہاں انھوں نے گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کی فلسطین کی تنظیم آزادی نے بھی ان کی اعانت کی۔ تربیت حاصل کرنے والوں کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔ جب مصر نے ایران کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا تو صادق قطب زادہ، مصطفیٰ شمران اور ابراہیم یزدی کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایران کے شاہ اور حکومت کے خلاف ریڈیو قاہرہ سے تقریریں کریں۔

انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ یہاں گوریلا تربیت کے لئے آئے ہیں وہ سیاسی تقریریں کرنے کے حق میں نہیں۔ مصری خفیہ تنظیم کے افسران اور اُن کے درمیان جھگڑا ہوا جس کے بعد یہ لوگ مصر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کچھ امریکہ اور کچھ لبنان چلے گئے۔

شاہِ ایران نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے ایسے ایک فیصلے پر عمل کیا جس نے شاہ کے خلاف اسلامی ملکوں میں نفرت پیدا کر دی۔ اس نے عالم اسلام کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کئے نہ صرف تعلقات قائم کئے بلکہ ان تعلقات کو بہت گہرا بنایا۔ سی آئی اے نے ایران اور اسرائیل کے درمیان تعلقات قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسرائیل کے اُس زمانے کے وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین نے اپنی خفیہ پولیس "مساد" کے سربراہ مائیر ایلیٹ کو ایران بھجوایا جس نے جس نے شاہ سے ملاقات کی۔ ملاقات میں طے پایا کہ اسرائیل اور ایران گہرے باہمی تعلقات قائم کرتے ہوئے خفیہ اطلاعات کے سلسلے میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ کریں گے۔

کرمیٹ روزویلٹ نے اپنی کتاب COUNTER COUP میں لکھا ہے کہ ایران اور اسرائیل کے تعلقات سنہ ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئے۔ سی آئی اے نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں ایران اور اسرائیل "ساواک" اور "مساد" کے درمیان تعلقات مستحکم ہوئے شاہ نے اپنے بعض محافظوں وفاداروں اور رائل گارڈز سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد کو تربیت کے لئے اسرائیل بھیجا۔

ایران کی حکومت اور ملکی معاملات کی باگ ڈور امریکہ کی سی آئی اے کے ہاتھ میں تھی۔ شاہ ایران ہر معاملے میں سی آئی اے کے مشورے اور مدد کا محتاج تھا۔ اس امریکی خفیہ تنظیم نے اپنا فرض بخوبی انجام دیا۔ شاہ کی بربادی میں سی آئی اے کا کتنا ہاتھ تھا، اس کا جواب مستقبل نے دے دیا۔ امریکہ میں جب کینیڈی نے صدارت کا عہدہ سنبھالا تو

اس نے ایران کے امور پر خصوصی توجہ دی ایک پیغام میں صدر کینیڈی نے شاہ ایران کو یہ مشورہ بھی دیا کہ اس کے اپنے خاندان کے افراد لوٹ کھسوٹ رشوت خوری میں مصروف ہیں شاہ اس پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ شاہ ایران نے اس مشورے پر توجہ نہ دی۔ وہ مطلق العنان شہنشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا اس نے سی۔ آئی۔ اے کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی جس کے کارکن بظاہر تہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں مختلف سرکاری اداروں اور تنظیموں میں ملازم تھے، یا کاروبار کرتے تھے۔ یہ نقاب تھا جو انہوں نے اپنی اصل سرگرمیوں کو چھپانے کے لئے اوڑھ رکھا تھا۔

شاہ کے مخالف خاموش نہ تھے تہران نہ صرف ایران کا دارالحکومت ہے بلکہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی لیکن ایران کے شہر قم کو اس وجہ سے حاصل ہے کہ یہاں علمائ اور امام رہتے ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ مذہبی قوت کا مرکز ہے شاہ کے مخالفوں نے قم میں جمع ہونا شروع کر دیا۔

قم کی شہرت قدیم ہے۔ قم میں امام رضا کی ہمشیرہ فاطمہ کا مزار ہے۔ بی بی فاطمہ کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔ ایران کے لوگ ان کے بہت معتقد ہیں۔ شاہ عباس نے فاطمہؓ کے مزار کو بڑے شاندار انداز میں تعمیر کرایا تھا ایک عرصے سے قم مذہبی تعلیمات کا مرکز ہے یہاں علمار کے مدرسے ہیں جہاں مدتوں سے ایران کے اندر اور بیرون ملک سے طالب علم دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ایران کے حکمرانوں نے بھی اس میں مصلحت سمجھی تھی کہ علمار کو ایران کے دارالحکومت تہران سے دور ہی رکھا جائے حکمرانوں کی اس پالیسی سے بھی قم کی مذہبی حیثیت میں نمایاں اضافہ ہوا قم کے دینی مدرسے اور قم میں رہنے والے علما حکومت کی سرپرستی سے ہمیشہ آزاد چلے آ رہے ہیں۔

سولھویں صدی عیسوی میں ایران کے صفوی خاندان کے پہلے بادشاہ اسماعیل شاہ نے شیعہ عقیدے کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا تب سے شیعہ عقیدہ ہی ایران کا مذہب ہے

شیعہ علماء میں پہلا درجہ دین کے طالب علم کا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے مجتہد کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تیسرا درجہ مبلغ کا ہے۔ چوتھا درجہ حجۃ الاسلام کا جو عالم اسلام پر سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ پانچواں درجہ آیت اللہ کا ہے۔ وہ گویا خدا کی علامت ہوتا ہے چھٹا اور آخری درجہ آیت اللہ العظمیٰ ہے۔ یعنی خدا کا عظیم نشان۔ ایران کے دستور کے مطابق کسی آیت اللہ العظمیٰ کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایک وقت میں کبھی پانچ سے زائد آیت اللہ العظمیٰ نہیں ہوتے۔

شیعہ اور سنی عالم میں فرق

شیعہ اور سنی علماء میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ شیعہ علماء مالی اعتبار سے کسی کے زیر دست نہیں ہوتے مگر سنی حکومتوں میں حاکم وقت اپنے سنی مولویوں اور علماء کو روپیہ پیسہ دیتا ہے۔ بر خلاف اسکے شیعہ علماء اور مجتہدین کبھی حکومت سے مالی امداد نہیں لیتے۔ شیعہ حضرات بذات خود مجتہدین کو روپیہ (خمس) ادا کرتے ہیں جسکی وجہ سے وہ حکومت کی مالی امداد سے آزاد ہوتے ہیں۔ رضا شاہ نے ۱۹۲۰ء میں کوشش کی کہ اس نظام کو ختم کر کے سنیوں کا سا نظام جاری کیا جائے تاکہ علماء وغیرہ زیر حکومت آجائیں مگر اس میں اس کو زبردست ناکامی ہوئی اور اس کو اپنے منصوبے سے دستبردار ہونا پڑا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک ایرانی اپنی حکومت کو ٹیکس دینے میں آنا کانی کر سکتا ہے۔ مگر مجتہد کو خمس ادا کرنے میں کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔

قم اسلامی انقلاب کا قلعہ

قم میں ایسے ایسے بنیادی سوالوں پر غور و فکر کا آغاز ہو چکا تھا جنہوں نے بعد میں ایران کی تاریخ اور انقلاب پر گہرے اثرات چھوڑے۔ آیت اللہ کاشانی جس نے

ڈاکٹر مصدق نے حمایت کی پھر اس سے اختلافات کی وجہ سے تعلق ختم کر دیا اپنی شہرت سے محروم ہو چکا تھا اور ایک نیا آیت اللہ نمایاں ہو رہا تھا۔
اس وقت آیت اللہ روح اللہ خمینی کی عمر ساٹھ برس تھی۔ وہ قم میں فقہ کا درس دیتے تھے۔ آیت اللہ خمینی نے لوگوں کی بے چینی کو بھانپ لیا تھا۔ وہ لوگوں کے ہر سوال کا تشفی بخش جواب دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ آیت اللہ خمینی کے ارد گرد مداحوں اور متلاشیوں کا ہجوم ہونے لگا۔ تھوڑے عرصے میں ہی آیت اللہ خمینی بہت فعال اور مشہور ہو گئے شاہ کے خلاف مزاحمت اور شاہِ ایران کے مظالم کا نشانہ بننے والے لوگوں کی امداد ان کا مشن بن گیا تھا وہ لوگ جو شاہ کے خوف سے ملک چھوڑ گئے تھے ان کے لواحقین کی کفالت کا انتظام بھی وہ کرتے تھے۔ آیت اللہ خمینی نے دنیا کے مسلم ملکوں کے سربراہوں کے نام ان لوگوں کی امداد کے لئے خطوط بھیجے۔ جن سربراہان مملکت نے ان کے خطوط کا جواب دیا ان میں ایک مصر کے صدر جمال عبدالناصر بھی تھے جنہوں نے اپنے ایک ایلچی کے ذریعہ ان کو ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی رقم بھجوائی تھی۔ لیکن ساواک کو اس کی خبر ہو گئی اس لئے صدر جمال عبدالناصر کے ایلچی کو ہوائی اڈے پر ہی گرفتار کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ ساواک کو یہ اطلاع اسرائیلی خفیہ پولیس "موساد" اور سی آئی اے نے فراہم کی تھی۔

شاہِ ایران آیت اللہ خمینی کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھے آیت اللہ خمینی کے اس نظریئے سے شاہِ ایران کو بڑی چڑ تھی کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اور حکومت کا سارا کاروبار اسلام کے اصولوں پر مبنی ہونا چاہیئے۔ شاہِ ایران نے آیت اللہ خمینی کی مقبولیت کو ختم کرنے کے لئے ریڈیو سے ایرانی علماء کے نام ایک پیغام نشر کیا جس میں اس نے آیت اللہ خمینی کا نام لئے بغیر کہا کہ ایران کے علما اس عالم دین کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے ایک غیر شیعہ سے بھی امداد اور رقم وصول کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

دوسرے دن آیت اللہ خمینی نے اس کا جواب دے دیا۔ انھوں نے کہا تقیہ کا وقت گزر چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان عقیدوں کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جن پر ہمارا ایمان ہے۔ آیت اللہ خمینی نے شاہِ ایران کے الزام کا ذکر کرتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے رقم کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا مدرسہ اور میرے ماننے والے میرے تمام اخراجات کی کفالت کرتے ہیں۔ وہ رقم جو صدر ناصر نے بھیجی تھی وہ میرے لئے نہیں بلکہ امدادی کمیٹی کے لئے تھی یہ ان یتیموں اور بیواؤں کے لئے تھی جو اس شاہ اور اس کے باپ کے ہاتھوں یتیم اور بیوہ ہوئی ہیں۔ میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ اب تقیہ کا وقت گزر چکا۔ اب عمل کا وقت ہے۔"

شاہِ ایران پر اس سے زیادہ سخت تنقید کسی نے نہ کی تھی۔ اس کے بعد آیت اللہ خمینی نے شاہ ایران پر تنقید کا کوئی موقع نہ گنوایا۔ ۱۹۶۲ء میں شاہ کے اپنے الفاظ میں "عوامی انقلاب" اور "انقلاب سفید" کا آغاز ہوا چھ نکات پر حکومت نے زور دینا شروع کیا۔ جن کی رو سے عوام کی اصلاح عورتوں کی آزادی، انتخابی قوانین میں تبدیلی کا بیڑہ اٹھایا گیا تھا۔ آیت اللہ خمینی نے ان چھ نکات کی شدید مخالفت کی وہ عورتوں کی آزادی کے مخالف تھے اس لئے اس زمانے میں انھیں عورتوں کے دشمن کی حیثیت سے رسوا کیا گیا چھ نکات کے سلسلے میں امام خمینی نے شاہ کے نام ایک ٹیلیگرام بھیجا جس کا جواب شاہِ ایران نے براہِ راست دینا پسند نہ کیا۔ حکومت کی طرف سے امام خمینی کو جو جواب دیا گیا

اس میں انھیں حجۃ الاسلام خمینیؒ لکھ کر مخاطب کیا گیا۔ یوں ان کا درجہ گھٹانے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ وہ آیت اللہ کے درجے پر فائز تھے۔ اس جواب میں امام خمینی کو کہا گیا تھا کہ وہ حالات کا جائزہ لیں۔ وہ خود تائید کریں گے کہ شاہ کا فیصلہ صائب ہے۔

اس شاہانہ سلوک کے باوجود آیت اللہ خمینی اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایران کے دوسرے آیۃ اللہ حضرات کی انہیں حمایت حاصل نہ تھی اس لئے امام خمینی نے اپنے قریبی ملاؤں کو تیار کیا کہ وہ ایک وفد کی صورت میں شاہ ایران سے ملیں۔ ایک درخواست بھی تیار کی گئی جو تین نکات پر مشتمل تھی اس میں شاہِ ایران سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس نے ایران کو جس طرح امریکہ کا غلام بنا دیا ہے اس پالیسی کو فوراً ختم کر دے اور یہودیوں اور امریکیوں کے مفاد کے لئے ایرانی قوم کی آزادی اور ایمان کو قربان نہ کیا جائے۔ دوسرے نکتہ میں کہا گیا تھا کہ شاہِ ایران کو دھوکہ دہی اور فریب کی پالیسی ترک کر کے مسلمانوں کا احترام کرتے ہوئے ان کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔ "انقلاب سفید" کے نام سے لوگوں کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ تیسرے نکتہ میں کہا گیا تھا کہ شاہ ایران ملک کی دولت کو عوام کی غربت اور جہالت دور کرنے کے لئے استعمال میں لائے اور لوگوں کو اپنا مستقبل خود بنانے دے۔

شاہ ایران نے اس درخواست کا جواب بھی امام خمینی کو براہِ راست دینے کی زحمت نہ کی بلکہ اس نے ایک ملاّ کے ساتھ "ساواک" کے ایک افسر کو قم بھیجا جس نے امام خمینی سے ملاقات کر کے ان کو متنبہ کیا کہ وہ شاہ پر تنقید کرنا بند کر دیں۔ اسرائیل کے خلاف بات نہ کریں اور امریکہ کے بارے میں زبان بند رکھیں۔ اگر ان تین امور میں امام خمینی شاہ کی ہدایت پر عمل کریں تو پھر ان کو دوسرے تمام معاملات میں آزادی حاصل ہے۔

دوسرے دن بی بی فاطمہ کی مسجد میں امام خمینی نے ایک تقریر کرتے ہوئے لوگوں کو سارا

سنایا اور کہا کہ شاہ نے ساواک کا آدمی میرے پاس کیوں بھیجا؟ آخر میں اسرائیل پر تنقید کیوں نہیں کر سکتا؟ کیا شاہ کی ماں باپ میں سے کوئی اسرائیلی ہے؟ اور میں خود شاہ ایران کے خلاف کیوں بات نہیں کر سکتا؟ کیا شاہِ ایران پیغمبر ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے۔ اگر وہ غلطی کرے گا تو ہم اُسے ٹوکیں گے۔ اور پھر یہ امریکہ کے بارے میں حکم کیوں؟ کیا ہم اس بات پر جشن منائیں کہ ہمیں امریکہ کا غلام بنا دیا گیا ہے؟ قوم کے اعتماد اور ضمیر کو کچل دینے کی تعریف کون کر سکتا ہے؟

اس خطاب میں امام خمینی نے ایران کے تمام ملاؤں سے اپیل کی کہ وہ ان کا ساتھ دیں اور اپنا مذہبی فریضہ انجام دیں۔ امام خمینی نے اس تقریر کا اختتام شاہِ ایران کو مخاطب کر کے اس جملہ سے کیا "میرا سینہ تمہاری سنگینوں کا استقبال تو کر سکتا ہے تمہاری دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

امام خمینی کی اس تقریر کی بازگشت شاہِ ایران تک بھی پہنچی۔ مارچ ۱۹۶۳ء کے آخری دنوں میں حضرت امام جعفر کی برسی پر ایک تقریب سے خطاب کرنا تھا قم میں صورت حال بگڑ رہی تھی۔ حکومت نے فوج اور پولیس کے دستوں کو قم بھجوا دیا۔ امام خمینی نے تقریر شروع کی تو حاضرین میں سے کسی نے نعرہ لگایا "شاہِ ایران زندہ باد"۔ اور پھر جلسہ اکھڑ گیا۔ ساواک کے دوسرے کارکنوں نے اس جگہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا جہاں امام خمینی نے درس دیتے تھے وہ امام خمینی کے بعض کارکنوں اور پیروکاروں کو گرفتار کرنا چاہتے تھے لیکن جھڑپ شروع ہو گئی فساد ہونے لگا جس میں بائیس افراد ہلاک اور کئی افراد زخمی ہوئے کتنے ہی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

امام خمینی وہاں سے اپنے گھر چلے گئے۔ جہاں ان کے پیروکار بھی پہنچ گئے انہوں نے لوگوں سے خطاب شروع کر دیا جس میں انہوں نے شاہ کے مظالم گنوائے شہر کے حکام اب بھی امام خمینی کی گرفتاری کی سے ہچکچا رہے تھے انہیں ڈر تھا کہ انہیں گرفتار کیا گیا تو امن

امان کی صورت ابتر ہو جائے گی۔ امام خمینی کی خانقاہ پر ساواک کے حملے سے عراق کے شیعہ عالم چونک اٹھے اور عراق کے ایک مجتہد آیت اللہ الحکیم نے ایک تار کے ذریعے امام خمینی کے نام پیغام بھیجا کہ قم ان کے لئے غیر محفوظ ہو گیا ہے تو وہ کربلا یا نجف چلے آئیں۔ ہم استقبال کریں گے۔ قم اور ایرانی حکومت کے ارکان کو اس ٹیلی گرام کے متن کا علم ہو چکا تھا۔ اسلئے انھوں نے قم میں آیت اللہ شریعت مداری کو پیغام بھیجا کہ اگر کوئی عالم عراق جانا چاہتا ہے تو حکومت اسے تمام سہولتیں فراہم کرے گی۔

امام خمینی نے شاہ ایران کے نام ایک ٹیلی گرام بھیجا۔ "خدا کی مدد سے میں اپنے فرائض سے سرخرو ہوں گا۔ میں خدا کی راہ میں مارا گیا تو شہید ہوں گا۔ زندہ رہا تو غازی"۔ امام خمینی نے اس واقعہ کے بارے میں مسلم ملکوں کے سربراہوں کو بھی تار بھیجے۔

اس مزاحمت میں جو لوگ مارے گئے تھے ان کے ماتم میں ایک مجلس ہوئی۔ قم کو ساواک پولیس اور فوج نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ پھر بھی امام خمینی نے اس مجلس سے خطاب کیا اور شاہ ایران کو بتایا۔ تمہیں ان لوگوں کی آواز سنائی دیتی ہوگی جو عوام کی بھلائی چاہتے ہیں۔ بدبخت، بیمار آدمی! ہماری بات سنو۔ ایک لمحے کے لئے سوچو کہ تم نے اس ملک کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اپنے باپ کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ تم ہمیں رجعت پسند کہتے ہو۔ تم خود رجعت پسند ہو۔ تم نے انقلاب سفید کے ذریعے ہمیں بیوقوف بنایا ہے۔

جب امام خمینی امریکہ اور اسرائیل کی قلعی اپنی تقریر میں کھول رہے تھے تو پولیس اندر داخل ہوئی اور انھیں گرفتار کر لیا گیا انھیں قم اور تہران کے جیل خانوں میں رکھا گیا۔ عوام نے شدید احتجاج کیا ایران کے تمام شہروں میں لوگ احتجاج کے لئے سڑکوں پر آگئے۔ کئی جگہ فسادات ہوئے جن میں کم از کم ایک سو افراد ہلاک ہوئے۔ عوام کے جوش اور ردِّ عمل کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام خمینی کی گرفتاری کا تیسرا دن تھا کہ ایران کے وزیر اعظم حسن علی منصور کو قتل کر دیا گیا۔

امام خمینی کو کار پر ترکی کی سرحد تک لے جا کر انہیں وہاں ایک سنسان علاقے میں اتار دیا گیا۔ ان کو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ امام خمینی نے اس ویران علاقے میں اپنا راستہ خود تلاش کیا۔ وہ نجف چلے گئے۔ بعد میں ان کے افراد خانہ بھی اُن سے جا ملے۔

جب امام خمینی تہران کی جیل میں تھے تو اُن کو بتایا گیا کہ شاہِ ایران اُن سے اُن سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تاکہ باہمی اختلافات دور ہوں۔ اور شاہ ایران ان سے توقع رکھتے تھے کہ وہ تدبر اور معقولیت کا ثبوت دیں گے۔ امام خمینی نے شاہ ایران سے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ اپنی جلاوطنی کے دنوں میں اس واقعے کے حوالے سے امام خمینی نے کہا تھا: "انھوں نے مجھے کہا کہ اگر میں شاہ سے ملاقات کر لوں تو سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے لیکن پیغام لانے والے بھی جانتے تھے کہ شاہِ ایران نے پوری قوم کو ذلیل کر دیا ہے۔ میں اکیلا کیا کر سکتا تھا۔ شاہِ ایران کا سینہ اتنا فراخ نہیں تھا کہ وہ ہر شہری کو اپنے سینے سے لگا سکتا۔ شاہِ ایران تو زہر کے ایک سمندر کی طرح ہے جس نے اسکو انگلی سے بھی چھوا وہ مارا گیا۔ وہ شاہ سے مجھے اس لئے ملوانا چاہتے تھے کہ میری ساری شہرت اور نیکنامی کو زہر آلود کر دیں۔

شاہِ ایران کا ایک وزیر اعظم قتل ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے مخالفوں کو کثیر تعداد میں گرفتار کروا دیا۔ سرسری سماعت کی عدالتوں میں ان کی قسمتوں کے فیصلے کئے گئے سب سے زیادہ عذاب قم پر ٹوٹا جہاں امام خمینی کے پیروکار اور مداح بستے تھے۔

امام خمینی کے جلاوطن ہونے کے بعد شاہ نے جبر و تشدد سے قم اور ایران کو خاموش کر دیا۔ اب وہ مطلق العنان فرمانروا بننے کے کئی مراحل طے کر چکا تھا۔ ایران کی ملی مجلس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اس نے ریفرنڈم کرائے۔ سیاستدانوں کو بے وقعت کر دیا۔ بیرونی حالات بھی شاہِ ایران کی مطلق العنانی کو سہارا دے رہے تھے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ اسرائیل میں مصر کو شکست ہوئی تھی۔ صدر ناصر نے استعفےٰ دے دیا تھا لیکن عوام کے

دلوں میں ان کی اتنی عزت تھی کہ عوام کے مطالبے پر انھیں واپس لینا پڑا۔ مصر کی شکست سے بھی شاہ ایران نے فائدہ اٹھا کر اپنی شہنشاہیت کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

اس کی دوسری ملکہ ثریا کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی ۱۹۵۸ء میں اسے طلاق دے دی گئی تھی دسمبر ۱۹۵۹ء میں شاہ ایران نے تیسری شادی فرح دیبا سے کی جس کے ہاں ۱۹۶۱ء میں ایک بیٹا تخت کا وارث پیدا ہوا۔ اب شاہ ایران پر امید تھا۔ وقت آ گیا تھا کہ شاہ ایران اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کر سکے۔ شاہ ایران نے خود کہا "۲۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو قصر گلستان میں اپنی عمر کے اڑتالیسویں برس میں اپنے ہاتھوں سے تاج فرمانروائی اپنے سر مبارک پر رکھا کیونکہ اب ایران کے عوام خوشحال ہو چکے تھے۔ میرے ملک کا ہر شخص اب خوش ہے اس لئے میں نے تاجپوشی کی رسم پوری کر لی ہے۔" چھوٹے چھوٹے تاج اپنی ملکہ فرح دیبا اور اپنے جانشین کے سروں پر رکھ دیئے اب وہ بجا طور پر خود شہنشاہ بن گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو آریہ مہر (آریہ نسل کی روشنی) کا خطاب بھی دے دیا۔

شاہ ایران کی تاج پوشی کی رسم بلاشبہ بے مثل تھی اس نے ہیرے جواہرات کا کام کرنے والی مشہور زمانہ فرم کارٹیر کو حکم دیا کہ وہ اس تقریب کے لئے تاج مہیا کرے اس نے جو تاج پہنا اس میں تین ہزار تین سو اسی ہیرے جگمگا رہے تھے۔ شاہ ایران نے اپنی مطلق العنانی کا کئی بار مظاہرہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں بڑے شاہانہ انداز میں اپنی حکومت کے تیس برسوں کی سالگرہ منائی اکتوبر ۱۹۷۱ء میں جب اس نے ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ تقریب کا اہتمام کیا تو اس کی شان و شوکت سے دنیا چندھیا کر رہ گئی پرسی پولیس کے قدیم کھنڈروں میں ایک نئی دنیا آباد ہو گئی۔ اس تقریب میں دنیا کے ۶۸ بادشاہوں، سربراہان مملکت اور سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی۔ کئی ملکوں کے وزرائے اعظم اور دیگر وزیر اور عالمی عمائدین آئے تھے۔

دنیا بھر کے بڑے اخباروں کے ایڈیٹر اور خصوصی نمائندے شاہ ایران نے مدعو

مشاهد من تواجد علماء الدين الفعال
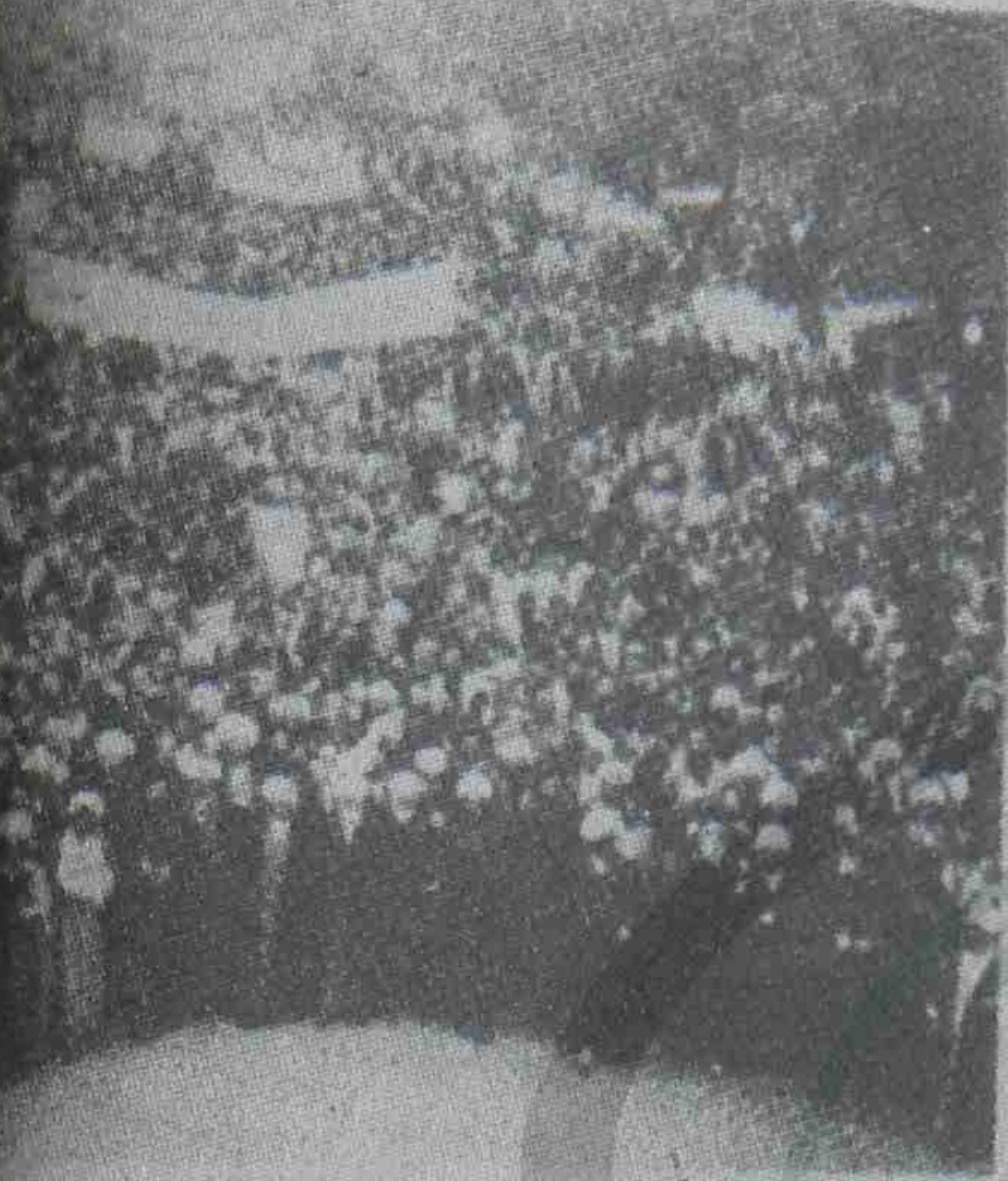
عوام کا جوش و خروش
انقلاب ایران کی کہانی تصویر کی زبانی۔

کئے تھے۔ پرسی پولیس میں خیموں کا ایک شہر بسایا گیا۔ ریشمی خیموں کے اندر کئی کمرے بنائے گئے تھے۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ عیش و عشرت کی ہر چیز کی فراوانی تھی۔ کھنڈروں میں آباد خیموں کے اس شہر کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہزاروں ایرکنڈیشنر کام کر رہے تھے۔ تین دنوں تک جشن جاری رہا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف اس ایک جشن پر ایک ارب بیس کروڑ روپیہ پھونک دیا گیا۔

۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کا زمانہ ایران کی تاریخ کا وہ زمانہ ہے جب شاہ ایران یہ سمجھتا تھا کہ ایران اور اس کے عوام اس کی ذاتی جاگیر ہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ شاہ کے خاندان کے افراد نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ شاہ کی والدہ کو روپے پیسے سے زیادہ جائداد سے دلچسپی تھی۔ اس نے تخت طاؤس اسٹریٹ میں ایک شاندار دفتر قائم کر رکھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ کر جائداد بنائی چلی جارہی تھی۔

شاہ ایران کے بھائی محمد رضا نے ملک کی معدنیات کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ وہ کانوں کے متعلق تمام بڑی بڑی فرموں کا حصہ دار بن بیٹھا تھا۔ شہزادی اشرف نے بینکوں، کاغذ ملوں اور لاٹری کے کاروبار پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ شاہ کے داماد اردشیر نے جو واشنگٹن میں ایرانی سفیر تھا موٹروں کا سارا کاروبار اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ سی آئی اے کے افسر اور کارکن شاہ کے حامی سیاست دان اور مقربین دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے۔

۱۹۵۸ء میں شاہ ایران نے خیراتی اور عوام کی مدد کے لئے پہلوی فاؤنڈیشن قائم کی تھی۔ عوام کا تو اس سے بھلا نہ ہوا لیکن اس فاؤنڈیشن کے ذریعے شاہ اور اس کا خاندان چھاجوں کے حساب سے دولت سمیٹ رہا تھا۔ ۱۹۷۹ء میں اس فاؤنڈیشن کے اثاثوں کی قیمت ۳ بلین ڈالر تک پہنچ گئی تھی۔ سیمنٹ انڈسٹری پر شاہ اور اس کے خاندان کی اجارہ داری تھی۔ بینکوں اور انشورنس کمپنیوں میں شاہ اور اس کے خاندان

خاندان کے ۶۲ فیصدی حصے تھے۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری ۴۰ فیصدی۔ موٹر انڈسٹری میں ۳۵ فیصدی اور اسی طرح ہر شعبۂ زندگی اور کاروبار میں شاہ اور اس کے خاندان کا نمایاں حصہ تھا۔

شاہِ ایران اقتدار اور جاہ پسندی سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو قدیم ایرانی شہنشاہ دارا اعظم سے بڑا شہنشاہ سمجھتا تھا۔ خلیج کی ریاستوں کے حکمرانوں کو وہ اپنے سے کمتر اور ہیچ سمجھنے لگا تھا۔

بیس سال بعد جب شاہِ ایران سے میری پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس میں نمایاں فرق محسوس کیا۔ پہلے وہ بے تکلفانہ گفتگو کرتا تھا۔ اب اسے اپنے شہنشاہ اور برتر ہونے کا پورا احساس رہتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت پہلے سے زیادہ قابل رحم ہے۔ اس کے چاروں طرف خوشامدی موجود رہتے تھے جو اُسے حقیقت کا علم نہ ہونے دیتے تھے۔ شاہ کے سامنے سچ بولنا کسی کو پسند نہ تھا۔ شاہِ ایران کی نخوت کا اب یہ عالم تھا کہ اس نے ایک بار اپنے خاندان کے کسی فرد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”اب ہم آقا ہیں۔ ہمارے سابق آقا (شاہی خاندان) اب ہمارے غلام بن چکے ہیں ہر روز ہمارے دروازے پر بھیک مانگنے آتے ہیں۔“

وہ اب بھی امریکہ کا احسان مند تھا۔ سی۔ آئی۔ اے کے بغیر اب بھی اس کا کام نہ چلتا تھا۔ لیکن اب وہ سی آئی اے کو اپنا ملازم سمجھتا تھا۔ وہ امریکہ کی سرپرستی کو قبول کر چکا تھا امریکہ کے اشاروں پر ناچتا تھا لیکن یہ بھی اس کے دل میں تھا کہ وہ اس سرپرستی کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے کا سرپرست بھی بنے گا۔ اب شاہِ ایران مستقبل کی باتیں کرتا تھا۔ وہ ایران کے بارے میں کہتا تھا کہ ایران دنیا کا پانچواں بڑا صنعتی ملک بنکر رہیگا اس نے اپنی نخوت کو تسکین دینے کے لئے اس خطے کو پولیس مین بننا قبول کر لیا۔ چند برسوں میں وہ اس خطے میں امریکہ کا سب سے بڑا حلیف بن چکا تھا۔ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے شاہ

نے اس علاقے میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایران کا سرمایہ امریکہ میں کاروبار میں لگ چکا تھا۔ کئی فرمیں ادارے اور کاروبار امریکہ میں ایرانی سرمائے کے بل بوتے پر چل رہے تھے۔ دوسری طرف ایران امریکہ کے مفادات کا نگہبان بن چکا تھا۔ امریکہ میں ایران کا جہاں روپیہ صرف ہوا اس کا دستاویزی ثبوت مل چکا ہے۔ صدر نکسن نے جب انتخاب میں دوسری دفعہ حصہ لیا تو انتخابی مہم کے لئے ایران نے پیسہ فراہم کیا تھا۔

شاہِ ایران فوجوں کو جدید ترین بنا رہا تھا۔ برطانوی اور پاکستانی افسروں نے ایرانی فوج کی تربیت کی تھی۔ شاہِ ایران پورے علاقے پر چھا جانا چاہتا تھا وہ اپنے آپ کو عالمی سطح کا عظیم رہنما بھی سمجھنے لگا تھا۔ جہاں جہاں شہنشاہیت اور امریکی مفادات کا تعلق تھا وہاں ایران موجود ہوتا تھا۔ اس نے سلطان قابوس کی مدد کے لئے ایرانی فوج بھیجی تھی۔

میں نے شاہِ ایران سے ایک چبھتا ہوا سوال ایران اسرائیل تعلقات پر بھی کیا۔ میرا خیال تھا کہ شاہ اس کا جواب نہ دے گا۔ یا گول مول جواب دے کر بات ٹال دے گا لیکن اس نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "اسرائیل کے ساتھ ایران کے تعلقات صرف ساواک اور موساد کی سطح پر نہیں ہیں۔ بلکہ میں نے شہری اور فوج کے ہر شعبے سے ایرانی افسروں کو تربیت کے لئے اسرائیل بھیجا ہے۔"

یاد رہے کہ صدر ناصر کو جب ایران اسرائیل تعلقات کا علم ہوا تو انھوں نے ایران کے ساتھ مصر کے سفارتی تعلقات ختم کر دیئے تھے لیکن شاہِ ایران کو مصر کی ناراضی کے مقابلے میں اسرائیل کی دوستی کا زیادہ خیال تھا۔

اس ملاقات میں شاہِ ایران نے واضح الفاظ میں کہا "میرے باپ نے میرے لئے ورثے میں جو ملک چھوڑا تھا میں اس ملک کو بہتر بنا کر اپنے بیٹے کے لئے ورثے میں

چھوڑنا چاہتا ہوں۔

میں نے شاہ سے پوچھا کہ جب وہ اپنے ملک کے لئے اتنا کام کر رہا ہے اور ایران کا ہر شخص خوشحال ہے تو جب بھی وہ کسی دوسرے ملک کے دورے پر جاتا ہے تو وہاں ایرانی طلبا۔ اس کے خلاف کیوں مظاہرے کرتے ہیں۔ شاہ ایران نے جواب دیا یہ سب کمیونسٹوں کی کارستانی ہے "۔ میں نے سوال کیا "ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایران میں ساواک کے مظالم پر جو رپورٹ تیار کی ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے "میں نے اسے بتایا کہ یہ رپورٹ لندن کے اخبار "سنڈے ٹائمز" میں چھپ چکی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ " سب کمیونسٹوں کی کارستانی ہے " شاہ نے وہی جملہ دہرایا میں نے اختلاف کرتے ہوئے کہا "میں سنڈے ٹائمز سے اچھی طرح واقف ہوں وہاں تو کوئی کمیونسٹ نہیں"۔ شاہ نے بات ٹال دی۔

شاہ کے ساتھ میری ملاقات پچیس برس کے بعد ہوئی تھی پچیس برس پہلے شاہ اور اب کے شاہ میں بڑا فرق تھا لیکن ایک بات میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ اب بھی اپنے ملک کے صحیح حالات سے بے خبر تھا۔

امام خمینی کی جلاوطنی کے پانچ دنوں بعد شاہ ایران نے ایک غیر ملکی اخبار نویس کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اب اسکی حکومت مضبوط و مستحکم ہے اسے کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں۔ فوج اس کی وفادار تھی۔ علماء اور ملاؤں کی مخالفت سے اب وہ ہراساں نہ ہوتا تھا۔ وہ دوسرے ملکوں کے سیاسی رہنماؤں، سربراہوں، اداروں، اخبار نویسوں اہم شہریوں کو قیمتی تحفے دینے کا عادی تھا۔ اپنے حق اور حمایت کے لئے وہ لوگوں کو خرید لیتا اور رشوت بھی دیتا تھا۔ وہ اپنی عزت، اپنی بہبود اور نیک نامی کے لئے اپنے ہی قریبی دوستوں ساتھیوں اور وفاداروں کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا جنرل نعمت اللہ نصیری ۱۹۶۵ء سے جون ۱۹۷۸ء تک ساواک کا سربراہ رہا تھا جب شاہ

ایران کو ایک بار شبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے اُس کے نام پر حرف آ رہا ہے تو اُس نے اس جنرل کو ساواک کی سربراہی سے ہٹا کر اُسے پاکستان میں سفیر بنا دیا۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل نے اپنی ۱۹۷۶ء کی رپورٹ میں بتایا تھا کہ ایران میں سیاسی قیدیوں کی تعداد سات ہزار لیکن پانچ سو تک جا چکی ہے۔

ساواک کی کارکردگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس ایران میں واقع ہر دفتر کی چابیاں موجود تھیں شاہ کا تختہ الٹنے کے بعد انقلاب کے پہلے وزیر اعظم مہدی بازرگان نے وہ سب چابیاں خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں جو ساواک کے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھیں ان چابیوں سے ہر گھر کو کھولا جا سکتا تھا یعنی کہ غیر ملکی سفارت خانوں کے تالے بھی ان چابیوں سے کُھل سکتے تھے۔ انقلاب کے بعد ساواک کے ہیڈ کوارٹر سے ایک فلم بھی ملی جسے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ساواک کے ایجنٹ کس طرح قیدیوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اس میں ایک عورت کو دکھایا گیا تھا جسے انتہائی غیر انسانی انداز میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا یہ فلم ساواک کے نئے رضا کاروں کی تربیت کے لئے تیار کی گئی تھی۔

ساواک کا موساد اور سی آئی اے سے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ یہ تینوں خفیہ تنظیمیں باہمی طور پر معلومات کا تبادلہ کرتی تھیں۔ ساواک کے ایجنٹوں نے ایران میں ہی نہیں دوسرے ملکوں میں بھی اپنا جال بچھا رکھا تھا شاہ ایران نے ایرانی عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے ایرانی مجلس میں خود ہی حزب مخالف قائم کی یہ اس کے اپنے آدمی تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ حکومت پر نکتہ چینی کرتے رہیں تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ اُن کی مجلس آزادانہ کام کر رہی ہے یہ راز بھی ایک دن کُھل گیا۔

ایران میں بظاہر خوشحالی اور اطمینان تھا۔ نائٹ کلب تھے جوئے خانے قحبہ خانے غیر ملکی مصنوعات کے انبار، اونچی عمارتیں اور پروپیگنڈے کا طلسم تھا لیکن زیریں سطح پر بے اطمینانی

تھی۔ شاہ کے لئے نفرت تھی۔ ڈاکٹر علی شریعتی جن کا انتقال جلاوطنی کے زمانے میں لندن میں ان کی تحریریں ایرانی عوام کو بیدار کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی بہت بڑے فاضل اور عالم تھے ان کی تصنیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے ایران کا نوجوان طبقہ ان کی تحریروں سے متاثر ہو رہا تھا ادھر امام خمینی کی آواز بھی جلد ہی جلاوطنی کی سرحدوں کو پھلانگتی ہوئی ایران میں پھر سے گونجنے والی تھی۔

احیائے اسلام

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے جہاں ایک طرف خود عرب عوام اور دوسرے مسلم ممالک کو شدید صدمہ ہوا وہاں اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اب تک جو نظریات عربوں کی فطری اساس بنے ہوئے تھے انھیں سخت دھچکا لگا۔ عرب اتحاد، غیر جانبداری اور قومی آزادی کی تحریکوں کی حمایت سب سراب ثابت ہوئے۔

صرف جمال ناصر پہلے کی طرح مقبول رہے۔ کیونکہ لوگ جانتے تھے کہ اس کڑے وقت میں وہ مصر کے زخموں کا مرہم ثابت ہوں گے اور ناصر ہی میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ مصر اور مصری فوج کی تعمیر نو کے بعد اسرائیل کے خلاف ایک اور جنگ لڑ سکیں لیکن ستمبر ۱۹۷۰ء میں ان کے انتقال نے صورت حال بدل دی۔ اور سادات نے قیادت سنبھالی۔ گو داخلی طور پر نسبتاً آزاد روی کی پالیسی اور بعد ازاں جنگ اکتوبر کی وجہ سے سادات عوام کی نظروں میں کافی موقر ہو گئے تھے لیکن اُن کے سفر یروشلم سے بات ویسی نہ رہی۔

اس موقع پر جو تصورات و نظریات ابھرے اُن کی بنیاد تیل کی دولت پر تھی کچھ عرصے کے لئے لوگ یہ سوچنے لگے کہ یہ دولت تلافی مافات کا ذریعہ بن جائے گی اور مادی

وسائل سے مسائل پر قابو پایا جا سکے گا۔ اور ظاہر ہے وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن جلد ہی انھیں یہ احساس بھی ہو گیا کہ دولت ہی ہر مسئلے کا حل نہیں۔ اس دولت سے وہ نہایت قیمتی ہتھیار تو خرید سکتے تھے لیکن اسرائیل جیسے دشمن کے مقابلے کے لئے ہتھیار کافی نہیں تھے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اپنی قیادت پر سے عربوں کا اعتماد متزلزل ہونے لگا۔ انہیں ان تصورات کا علم بھی ہونے لگا جو بیرونی دنیا اس قیادت کی وجہ سے اُن کے متعلق قائم کر رہی تھی اور یہ کوئی اچھے تصوّات نہیں تھے۔

اور یوں عرب عوام بیرونی نظریات سے بھی اکتا گئے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اسبابِ انحطاط منشیات کا استعمال، جنسی بے راہ روی اور ہپی ازم، یہ سب انکی نظروں سے پوشیدہ نہ تھے بمغرب کے اس نظام کی جس خصوصیت سے عربوں کے ذہن کو سب سے زیادہ دھچکا لگا وہ "خاندان" کے ادارے کا زوال تھا۔ جسے عرب اب بھی معاشرے کی بنیادی اکائی خیال کرتے تھے۔ اسی طرح سوویت کمیونزم بھی کوئی خاص مقبول نہیں رہ گیا تھا۔ اسٹالن کے بارے میں ہونے والے انکشافات اور چیکوسلواکیہ پر روس کے حملے نے اس کے وقار کو زبردست صدمہ پہنچایا تھا اور اب عرب عوام کا اعتماد اس پر سے مزید کم ہو گیا تھا۔

تو اس طرح ۱۹۶۷ء کے اضطراب و انتشار کے بعد عرب عوام اور دانشوروں کو اپنے تمام فکری ڈھانچے پر نظرِ ثانی کرنی پڑی۔ اس سے پہلے فکری مطلع اتنا غبار آلود نہیں تھا۔ چنانچہ ہر کسی کے لئے کوئی سا راستہ چننا نسبتاً آسان تھا۔ پہلے جو صورتِ حال تھی وہ عرب اسرائیل تنازعے، روس امریکہ کی کشاکش اور طبقاتی جدوجہد سے عبارت تھی لیکن اب ۱۹۶۷ء کی ہزیمت کے بعد یہ تضادات اتنے صاف نہیں رہے تھے۔ یہ فیصلہ کرنا تک دشوار ہو گیا کہ کون سی عرب ریاست ترقی پسند ہے اور کون سی قدامت پرست، مصر جو کبھی سب سے زیادہ ترقی پسند تھا امریکہ سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا تھا جسے عموماً استعماری طاقت سمجھا جاتا تھا۔ روس کو اسی اثنا میں مشرقِ وسطیٰ سے بے دخل کیا جا چکا تھا اور "بڑی طاقتوں کے

کے درمیان توازن برقرار رکھنے" کی پالیسی ممکن العمل نہیں تھی اور یہ تمام واقعات ایسے تھے کہ جن کے نتیجے میں اعتماد اور یقین کے پرخچے اڑ چکے تھے۔

بہت سے لوگ مذہب کو مسائل کا حل قرار دینے لگے مشرق وسطیٰ میں جدیدیت وقدامت پسندی، اور مقامی اور اسلامی قومیت کی جو بحث عثمانی ترکوں کے دور میں شروع ہوئی تھی وہ بہت بعید کے ماضی کی بات نہیں تھی اور یوں بھی تاریخ بتاتی ہے کہ جب آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے تو قومیں ماضی کی طرف پلٹتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کی ہزیمت کے بعد مصریوں نے مذہب کی طرف کافی توجہ کی اور ۱۹۷۳ء کی جنگ کے موقع پر مذہبی جذبہ کافی کارگر ثابت ہوا۔

اسلام کی عظیم طاقت کا راز اس میں پنہاں ہے کہ یہ اپنے پیروکاروں کو ایک قانون ایک ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے، اور دلوں کے ساتھ ساتھ دماغوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ انسانوں کے ایک دوسرے کے تعلقات کو منضبط کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسے سمجھنے کے لئے کسی خاص قسم کی ذہانت کی ضرورت نہیں کیونکہ بالخصوص عربوں کے لئے یہ ایک مذہب سے زیادہ ایک ثقافتی ورثہ ہے۔ چنانچہ طٰہٰ حسین جیسے مصنف، جنکی قبل از اسلام کی شاعری کے بارے میں پہلی تصنیف سے مذہبی حلقوں میں ایک شور مچ گیا تھا، آنحضرت اور اسلام کے بارے میں لکھنے لگا۔ دوسرے مصری اہل قلم جیسے حسین ہیکل اور عباس العقاد جو مغربی فکر و فلسفہ سے بڑے متاثر تھے، اسلامی موضوعات میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے لگے، اور تو اور ان موضوعات سے کمیونسٹ ناول نگار تک نہ بچ سکے۔

یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ عربوں اور ایرانیوں کی اکثریت مغربی تہذیب کو استحصال اور تباہی کے تناظر میں دیکھتی ہے جبکہ اسلام مثبت خیر کا پیام دیتا ہے۔ اسلام فرد کی اہمیت اور انسانی عظمت پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ ایران و عرب کے باشندوں کو مذہب میں معاشرتی سکون و طمانیت کے امکانات نظر آنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ مذہب کو مسلمان بالخصوص سُنّی حکومتوں نے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ سعودی عرب میں مذہب ایک طرف تو کمیونزم اور ناصر ازم کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوا۔ اور دوسری طرف روزمرہ زندگی کو کنٹرول کرنے کے لئے اسی طرح مصر میں پہلے تو مذہب کے پلیٹ فارم سے اسرائیل سے جنگ کو ایک مقدس جہاد قرار دیا گیا۔ اور بعد ازاں اسی اسرائیل سے پرامن تعلقات قائم کرنے کو ایک مقدس فریضہ کہا گیا۔ اسی بوالعجبی کو خمینی صاحب نے "فقہ سلطانی" سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے باوجود مذہب سے بڑھتی ہوئی اس دلچسپی کا اثر تمام عالم اسلام کی سیاست پر ہوا ضرور۔ مصر میں اخوان المسلمین طاقت و اثر میں بڑھتے چلے گئے۔ اور شام میں انھوں نے حافظ الاسد کی بعثی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔ ایک نئی تنظیم "الجماعۃ الاسلامیہ" قاہرہ اور اسکندریہ کی یونیورسٹیوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ پاکستان میں سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے مفکر جن نظریات کی تبلیغ کر رہے تھے انھیں کافی سے زیادہ قبولِ عام حاصل ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اسلامی تحریکوں کی بنیاد بہت سادہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حاکم حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے اور دنیوی حاکم کا کام صرف قانون الٰہی کو نافذ کرنا ہے اسے تبدیل کرنا نہیں۔

مذہب کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ حالیہ برسوں میں مصر، جو عرب دنیا کا اشاعتی مرکز ہے، جو کتابیں شائع ہوئیں انمیں سے نصف مذہبی موضوعات پر تھیں مثال کے طور پر مفتی محمد عبدہٗ (۱۹۰۵ء ۔ ۱۸۴۹ء) کی تصانیف قاہرہ اور بیروت سے بار بار شائع ہوئیں۔ اسی طرح بعد کے مصنفین جیسے طٰہٰ حسین، عباس العقاد اور حسین ہیکل کی تحریروں نے اسلامی موضوعات میں بہت دلچسپی پیدا کر دی۔

ایرانیوں پر سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر علی شریعتی کا ہوا جنھیں خمینی صاحب کے بعد انقلابِ ایران کا دوسرا فلسفی تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ جب تہران میں امریکی سفارتخانہ میں ایرانی طلبا کے ایک گروپ سے گفتگو کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ ایرانی طلبا خمینی صاحب سے بھی زیادہ

ڈاکٹر شریعتی کے حوالے دے رہے تھے۔ وہ ایک زبردست مصنف تھے جن سے ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں منسوب ہیں۔ انکی تعلیمات جنہوں نے نوجوانوں کو بہت متاثر کیا' کا ایک اہم قضیہ یہ ہے کہ ہر انسان چار طرح کے قید خانوں میں مقید ہے۔ پہلا قید خانہ یا زندان' تاریخ اور جغرافیہ کا زندان ہے۔ اس سے انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے آزاد ہو سکتا ہے دوسرا "تاریخی ضرورت" کا زندان ہے۔ اور تاریخی قوتوں کے عمل کی صحیح تفہیم ہی اسے اس زنداں سے نکال سکتی ہے۔ تیسرا زنداں "سماجی اور طبقاتی ڈھانچے" کا ہے اور صرف ایک انقلابی نظریہ ہی آدمی کو اس سے نجات دلا سکتا ہے اور چوتھا زندان خود ذات کا زندان ہے ڈاکٹر صاحب کے خیال میں انسان رحمانی اور شیطانی عناصر سے مرکب ہے اور یہ اس کا اپنا کام ہے کہ کن عناصر کو زیادہ طاقتور بنائے۔ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے نظریات اسلام مارکسزم اور سارتر کے فلسفۂ وجودیت (EXISTENTIALISM) سے متاثر ہیں۔

اسلام کے متعلق غور و فکر کرتے ہوئے کئی مفکرین' جیسے مصری ماہر قانون عبدالرزاق صنہوری اس نتیجہ پر پہنچے کہ حنفی اور شافعی روایتی مکتبہ ہائے فکر میں "اجتہاد" کے تصور کی عدم موجودگی کیوجہ سے کسی طرح کی اختراعی فکر کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی چنانچہ انھوں نے شیعہ ازم میں دلچسپی لی یعنی تشریع کی جو امام کی عدم موجودگی میں اجتہاد کی اجازت دیتا ہے۔ چونکہ تشیعت شروع ہی سے حزب مخالف کا کردار ادا کرتی چلی آرہی ہے چنانچہ اس میں انقلابی نظریات کی گنجائش سُنّی ازم سے زیادہ ہے جو ہمیشہ حکمرانوں کا ساتھی یا ان کا دست نگر رہا ہے چنانچہ صنہوری جیسے لوگ شیعہ ازم سے نظریات مستعار لینے پر تیار تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ بہر حال یہ اسلامی ورثے کے ایک اہم حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ناصر کے زمانے میں شیخ الازہر شیخ محمد شلتوت نے مختلف اسلامی فرقوں کے مابین اختلافات کو کم کرنے اور مشترک باتیں تلاش کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اسی بات نے انھیں آیت اللہ خمینی کی نظر میں "ازہر کا آخری اچھا شیخ" بنا دیا۔

چونکہ مسلم دنیا کا بحران اخلاقی ہونے کے ساتھ ساتھ آئینی بھی تھا اس لئے افراد کے لئے

تو احیائے اسلام کی حیثیت محض مذہبی تھی لیکن حکمرانوں کو اسکے ذریعہ اپنا جواز ثابت کرنا تھا حکومتوں کے قائم رہنے کے لئے کسی ایسے مرکز کی ضرورت ہوتی ہے جسکے گرد لوگ جمع ہو سکیں اور جس سے اپنی وفاداریاں مربوط کر سکیں۔ عرب دنیا میں اکثر مذہبی مظاہر ہی ایسے مرکز رہے ہیں۔ چنانچہ سعودی خاندان بھی مذہب سے اپنے تعلق کے ذریعہ اپنے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اردن اور عراق کے ہاشمی خاندان سیاسی اقتدار کے ساتھ مذہبی اقتدار کے حامل بھی رہے ہیں۔ خلیج کے حکمراں خاندانوں میں بھی مذہب نمایاں عنصر ہے۔ بہر حال اکثر دوسرے عرب ملکوں میں یہ مرکزی حیثیت فرد واحد ہی کو حاصل ہے جس کا دارومدار اس فرد کی بحیثیت رہنما کامیابی پر ہے۔ مرحوم صدر ناصر کی مقبولیت کا راز انکی اسی نوع کی کامیابیوں میں مضمر تھا جو سوئز کے قومیائے جانے پر اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ سادات کی مقبولیت کا راز جنگ اکتوبر سنہ ۱۹۷۳ء کے لئے ان کی تیاری میں پنہاں تھا لیکن بعد ازاں ان کے سفر یروشلم نے صورت حال بدل دی۔ ایران کے حوالے سے بھی فرد واحد کے اقتدار و مقبولیت کا یہ نظریہ درست معلوم ہوتا ہے، گو انقلاب کے بعد فرد تبدیل ہو گیا ہے۔

گو کہ ان مسلم ممالک میں شخصی حکمراں بہت طاقتور ہیں اور جدید ٹیکنالوجی اور پولیس ان کے زبردست ہتھیار ہیں لیکن "مسجد" ایک ایسا ادارہ ہے جو ان حکمرانوں اور ان کی پلیس کی پہنچ سے باہر رہے۔ وجہ یہ ہے کہ مسجد لوگوں کو ایسا مقام اجتماع عطا کرتی ہے جسکی حفاظت وہ اپنی جانوں پر کھیل کر بھی کریں گے۔

ریاست اور مذہب کے حوالے سے جب بات ہو گی تو ایک اور چیز یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ مذہب کو ریاست اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال بھی کر سکتی ہے بالخصوص سنی ممالک میں جیسا کہ سعودی عرب میں یا کسی حد تک مصر میں ہوا لیکن اس مذہبی پروپیگنڈے کے نتیجے میں جو ریاست بہر حال اپنے مقاصد کیلئے کرواتی ہے جو قوتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں انپر قابو پانا بھی آسان نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا مزاج اور ان کے عقائد صدیاں گزرنے پر بھی کم ہی بدلے ہیں نتیجہ یہ کہ مصر اور

سعودی عرب میں حکومتوں کو مذہبی مخالفین کا سامنا کرنا بھی پڑا۔

ویسے ایران میں صورت حال مختلف تھی۔ دینی علماء سُنّی علماء کی طرح سرکاری ملازم نہیں ہوتے تھے اور اُن کا ذریعۂ معاش وہ عطیات (خمس) تھا جو براہِ راست اُن کے پاس پہنچتا تھا لیکن حالیہ برسوں میں صورت حال یہ نہ رہی "بازار" جہاں سے چندے آتے تھے، اس پر شاہی خاندان کے حریص ارکان نے قبضہ کر لیا چنانچہ اس سے علماء میں بے چینی پیدا ہوئی۔ اس پر مستزاد وہ بے چینی تھی جو نچلے بورژوا طبقے میں اونچے طبقے سے حسد کی وجہ سے پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی انقلاب کے لئے بعض ایسے لوگوں نے لاکھوں ریال کے عطیات دیئے جو شاہی دور میں اچھے خاصے مال دار تھے اس کی وجہاں میں پھیلی ہوئی عام بے چینی اور تبدیلی کی شدید خواہش تھی۔

ایران کے اسلامی انقلاب سے وہ ممالک بھی متاثر ہوئے جہاں خالصتاً غیر اسلامی حکومتیں قائم ہیں۔ اس کے شمالی ہمسائے سوویت یونین کے جنوبی صوبوں کی مسلم آبادی ۴ کروڑ کے قریب ہے جو روس کی کل آبادی کا پندرہ[۱۵] فیصد ہے۔ مزید یہ کہ ان صوبوں میں آبادی کے بڑھنے کی رفتار باقی روس کی رفتار سے تقریباً پانچ گنا زیادہ ہے۔

اس صورت حال میں روس کے یہ مسلمان، جن میں سے بہت سے ایران سے نسلاً وابستہ ہیں انقلاب ایران سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اس انقلاب کے بعد روسی مسلمانوں میں بھی ایک طرح کی تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ بھی بڑی حد تک اسلام پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے تصوف کے مختلف سلسلوں بالخصوص نقشبندیہ اور قادریہ میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کئی اور طرح سے ایرانی انقلاب روس کے لیے پریشانی کا باعث بنا۔ گو کہ شاہ کا جھکاؤ امریکہ کی طرف تھا مگر روسیوں سے بھی اس کے افہام و تفہیم کے تعلقات قائم ہو گئے تھے اور اسلحہ اور قدرتی گیس کی تجارت اطمینان بخش تھی اب ایران میں نئی حکومت آگئی تھی۔ گو کہ انقلابی ایران کا

کا اصل جھگڑا امریکہ سے تھا۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ آخر کار مقاصد کی ہم آہنگی ایران و امریکہ کو ایک بار پھر ایک کر دے گی اور قدیم اختلافات اسے غالباً دس سے دور ہی رکھیں گے۔ بہر حال روس کے لئے اس سے بھی زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ جنوبی ریاستوں کے لوگ ذہنی لحاظ سے ایران کے اسلامی انقلاب سے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور اسی نسبت سے کمیونزم سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۹۰۲ء قم سے جنوب مغرب کی سمت آٹھ میل پر واقع خومین نامی گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام روح اللہ موسوی رکھا گیا یہی بچہ انقلاب ایران کا بانی بنا اور امام خمینی کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہوا امام خمینی کی ولادت کے چند ماہ بعد ان کے والد کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کے بارے میں کئی روائتیں مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک حریف جاگیر دار نے ان کو اپنے ایجنٹوں سے مروا دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاہ ایران کے والد کا بھی اس قتل میں ہاتھ تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اُن کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس رہنے لگے جو اُس وقت ملا بن چکے تھے۔

روح اللہ نے مروجہ طریقے کے مطابق دینی تعلیم حاصل کی۔ انکے استاد آیت اللہ عبدالکریم حائری تھے جو ۱۹۲۲ء میں قم چلے گئے۔ نوجوان روح اللہ بھی اُن کے ساتھ قم آ گئے۔ اس زمانے میں طالب علم خانقاہ یا مدرسہ میں ہی فرش پر ایک دو شک (کمبل) اوڑھ کر سوتے تھے آیۃ اللہ امام خمینی کی فرش پر کمبل اوڑھ کر سونے کی عادت اتنی پختہ ہے کہ وہ ساری عمر فرش پر سوتے رہے اور اب بھی فرش پر سوتے ہیں تعلیمی مدارج طے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ حالات حاضرہ پر بھی نگاہ رکھتے تھے۔ اُن کے ایک معمر دوست تھے جن کی بیٹی خدیجہ تھی جب امام خمینی کی عمر بیس برس تھی تو خدیجہ کی عمر چودہ برس تھی۔ ان کے دوست نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کی صاحبزادی سے شادی کر لیں۔ خدیجہ اور امام خمینی کی کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی لیکن خدیجہ نے ایک بار ان کی جھلک دیکھی تھی۔

جب خدیجہ کو علم ہوا کہ اس کی شادی خمینی سے ہو رہی ہے تو اُس نے اِن سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ کسی ملّا کے بجائے سرکاری افسر سے شادی کرنا پسند کرتی تھی اسی لئے اس نے اس شادی سے انکار کیا۔ اسی رات خدیجہ کو حضور نبی کریم صلعم، حضرت علیؑ، بی بی فاطمہ خواب میں دکھائی دیئے۔ آپ نے اشارے میں اسے بتایا کہ وہ روح اللہ خمینی سے شادی کرے۔ وہ شادی پر رضامند ہو گئیں۔ ان کے پہلے تین بچے۔ ایک لڑکا۔ دو لڑکیاں فوت ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے ہاں دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بڑا بیٹا مصطفےٰ ۱۹۷۷ء میں ساواک کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا بیٹا سید احمد اب امام خمینی کا دست راست اور نائب ہے امام خمینی کی تینوں صاحبزادیوں کی شادی ہو چکی ہے۔

امام خمینی کی شریک حیات ایک مضبوط کردار اور شخصیت کی مالک خاتون ہیں جب ۱۹۶۳ء میں امام خمینی کو جلا وطن کیا گیا تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ وہ اس کے پیچھے نہ آئیں لیکن ان کی شریک حیات صعوبتیں برداشت کرتی امام خمینی کے پاس نجف پہنچ گئیں۔ فرانس میں بھی جب امام خمینی جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے تو وہ ان کے پیچھے چلی آئیں اور گھر کا انتظام سنبھال لیا امام خمینی جتنے برس فرانس میں رہے انھوں نے اپنی قیام گاہ سے نکلنا پسند نہ کیا لیکن ان کی بیگم نے فرانس کے قابل دید تاریخی مقامات کی سیر کی۔

وہ تمباکو نوشی نہیں کرتے۔ ٹیلی فون کا استعمال کرنے سے بھی ہچکچاتے ہیں آج تک انھوں نے صرف ایک بار کسی سے ٹیلی فون پر بات کی ہے۔

امام خمینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایک فقیہہ کی حیثیت سے انھوں نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ان کا طرز تحریر سادہ ہے۔ وہ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔ سیاست اور مذہب کی جداگانہ حیثیت کے قائل نہیں کیونکہ اسلام زندگی اور حکومت دونوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ امام خمینی مظلوموں کی دادرسی اور ظالم کی سرکوبی اور خاتمے پر زور دیتے ہیں۔

امام خمینی جلاوطنی کے بعد قم سے نجف پہنچے تو وہاں درس و تدریس کا سلسلہ پھر سے

شروع ہُوا۔ ان کی آواز کیسٹوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ یہ کیسٹ کسی طرح قم پہنچے جہاں اُن کے شاگرد سننے لگے۔ امام خمینی کی آواز اس طرح آہستہ آہستہ کیسٹوں کے ذریعے سارے ایران اور پھر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ ان کیسٹوں کو "اعلامیہ" کا نام دیا گیا۔ یوں امام خمینی نے انقلاب کا بیج ان کیسٹوں کے ذریعہ بونا شروع کیا۔ شاہ ایران کے مخالف ان کے پاس نجف میں جمع ہونا لگے۔ صادق قطب زادہ اور ابراہیم یزدی امریکہ سے نجف آئے اور اُن سے وفاداری کا عہد کیا۔ ایران میں مہدی بازرگان نے بھی اُن سے رابطہ قائم کیا یوں امام خمینی کی آواز اور قوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۱۹۷۴ء میں جب عراق اور ایران کے تعلقات کشیدہ تھے۔ عراق کے صدر احمد حسن البکر نے اپنے داماد کو امام خمینی کے پاس بھیجا کہ وہ شاہِ ایران کے خلاف مہم میں اُن کی حمایت کریں۔ تاکہ شاہ کا تختہ الٹا جا سکے امام خمینی نے اعانت سے انکار کرتے ہوئے جواب دیا کہ ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے ایک حدیث بھی پڑھی "ہر چیز کے لئے ایک معین وقت ہوتا ہے۔" عراقی حکومت اور حکام نے امام خمینی کے اس رویے کی وجہ سے اُن پر بزدلی کا بھی الزام لگایا لیکن امام خمینی نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ ان کے خیال میں ابھی شاہِ ایران پر وار کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ انھوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جب وقت آئے گا تو وہ خود ہی آگے بڑھیں گے اور کسی کی حمایت حاصل نہ کریں گے۔

۱۹۷۵ء میں ایران اور عراق کے اختلافات ختم ہو گئے۔ عراق کے نئے صدر صدام حسین سے شاہِ ایران نے رابطہ قائم کیا اور صدر صدام حسین کو یاد دلایا کہ معاہدے کے مطابق یہ طے پا چکا ہے کہ عراق اور ایران ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے عراق میں خمینی کی سرگرمیاں صریحاً ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہیں اس لئے امام خمینی کی زبان بند کرائی جائے۔ شاہِ ایران کی اس یادداشت پر عراق کی خفیہ پولیس کے سربراہ کو امام خمینی کے پاس بھیجا گیا اور انھیں متنبہ کیا گیا کہ ایران عراق معاہدے کے

مطابق اُن کی سرگرمیاں اب ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ وہ ان سرگرمیوں کو ختم کریں۔ یا پھر عراق چھوڑ دیں۔ کچھ بحث کے بعد امام خمینی نے اپنا فیصلہ دے دیا۔ انھوں نے عراق کی سرزمین چھوڑ جانے کو ترجیح دی۔

جب شاہِ ایران کو امام خمینی کے اس فیصلے کی خبر ملی تو وہ ٹپٹا گیا۔ جلدی میں اس نے جو غلطی کی تھی اب اس کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ اُسے محسوس ہو گیا تھا کہ امام خمینی اگر عراق سے چلے گئے اور کسی مغربی ملک میں قیام کیا تو وہ اس کے لئے پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔ شاہِ ایران نے عراقی حکومت سے کہا کہ وہ امام خمینی کو عراق سے جانے نہ دیں بلکہ انھیں مجبور کر دیں کہ وہ شاہ کے خلاف اپنی مہم ختم کر دیں۔

امام خمینی نجف میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے کہ انھیں ایک بہت بڑے صدمے سے دو چار ہونا پڑا۔ ان کے بڑے بیٹے مصطفیٰ کو "ساواک" نے قتل کرا دیا۔ اُن کے صاحبزادے مصطفیٰ ایران میں تھے اور امام خمینی اور اُن کے پیروکاروں کے درمیان ایک رابطے کی حیثیت رکھتے تھے۔ مصطفیٰ کی ہلاکت "ساواک" کا ہی کام تھا۔ مصطفیٰ کے قتل کے بعد قم اور دوسرے شہروں کے کئی ایسے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا جن کے ناموں کی فہرست مصطفیٰ کے پاس تھی مصطفیٰ کا قتل بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس کے سوگ میں ایرانیوں نے شاہ کے خلاف غصے اور نفرت کا شدید اظہار کیا۔ تہران، قم، مشہد، اصفہان، تبریز اور دوسرے بڑے شہروں میں ہر جمعرات کو مصطفیٰ کے ماتم میں مجالس عزا کا اہتمام ہونے لگا۔ جانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا کہ خود نجف سے امام خمینی نے اپنے پیروکاروں کو ایک پیغام میں کہا: "ہم بہت آنسو بہا چکے ہیں۔ ہم اور آپ میرے بیٹے کو بہت دفعہ یاد کر چکے۔ آپ بہت دفعہ مجھ سے تعزیت کر چکے لیکن آج کے بعد میں کسی قسم کی تعزیت کو قبول نہ کروں گا۔ اب عمل کا وقت آچکا ہے۔"

کیسٹ کے ذریعہ نجف سے فرانس روانہ ہونے سے پہلے امام خمینی نے ایران میں اپنے پیروکاروں کو جو ہدایات دیں، وہ چار نکات پر مشتمل تھیں۔ حکومت ایران کے تمام اداروں کا

منقطع کر دیا جائے جب تک حکومت اسلامی طرزِ حکومت کو نہیں اپناتی حکومت کے ساتھ کسی طرح کا تعاون نہ کیا جائے کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے موجودہ حکومت کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اقتصادیات، مالیات، قانون، ثقافت اور ہر شعبے میں اسلامی اصولوں کو اپنائیے اور یاد رکھئے کہ علماء کا خون شہیدوں کے خون کی طرح مقدس ہوتا ہے۔

۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ہوائی جہاز کے ذریعے امام خمینی پیرس پہنچے اور ان کی جلاوطنی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ پیرس سے بیس میل دور نیوفل لی شاطو میں انھوں نے ایک چھوٹے سے مکان میں انقلاب کا مرکز قائم کیا اور انقلاب کی کامیابی تک وہیں رہے۔

دسمبر ۱۹۷۸ء میں فرانس میں امام خمینی سے میں نے پہلی بار ملاقات کی نیوفل لاشاطو میں یہ گھر دنیا بھر کے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنگیا تھا دور دراز سے لوگ امام خمینی سے ملنے یہاں آتے تھے یہاں ایرانی طالب علموں کی پیرس کمیٹی کے ارکان ہمہ وقت موجود رہتے تھے انھوں نے ہی امام خمینی کے قیام اور سکیورٹی کا انتظام کیا تھا۔ اس کمیٹی کے سربراہ ابوالحسن بنی صدر تھے بعد میں ایران کے صدر بنے اور پھر انکا امام خمینی سے اختلاف ہوا اور اب پیرس میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے فلسطینی دوستوں نے ان کو امام خمینی کی حفاظت کے لئے اسلحہ فراہم کیا تھا۔

میں پہلے آیت اللہ منتظری سے ملا جنہیں امام خمینی نے جانشین بنا چکے تھے۔ انھوں نے مجھے امام خمینی سے ملوایا۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد امام خمینی نے مجھ سے پوچھا کیا میں ان کے ساتھ شام کی نماز میں شرکت کر سکوں گا؟ امام خمینی شام کی نماز کے بعد اپنے پیروکاروں سے خطاب کیا کرتے تھے جب میں نے اثبات میں جواب دیا تو امام خمینی نے اپنے پوتے حسین کو ہدایت کی کہ مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔

نماز کے بعد امام خمینی نے اپنے وعظ کا آغاز کیا۔ وہ دھیمی آواز میں بول رہے تھے ایسی دھیمی، پرسکون اور متحرک آواز تھی جو میرے کانوں نے اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ یہ آواز

سرسراتی ہوئی سننے والوں کے دلوں میں اتر کر ان پہ وجد کی سی کیفیت طاری کر رہی تھی۔
امام خمینی کے پوتے حسین نے میرے لئے ساتھ ساتھ عربی میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا
لیکن تھوڑی دیر بعد کچھ لوگوں نے درخواست کی کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ میں نے
بھی یہی بہتر سمجھا کہ فارسی زبان سے ناواقف ہونے کے باوجود بھلا میں دیکھوں تو
سہی کہ امام خمینی کے پیروکاروں کے چہروں پر ان کے وعظ سے کیا رد عمل پیدا
ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ غیر معمولی تھا۔ امام خمینی جن کی داڑھی لمبی ہے
سر پہ کالی ماتمی پگڑی پہنے یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ ابھی ابھی ساتویں
صدی سے نکل کر اس زمانے میں آئے ہیں۔ ان کے برعکس ان کے سامعین اس زمانے
کے دانشور تھے ان پر امام کے وعظ کو سنکر وجد طاری ہو رہا تھا۔

امام خمینی سے جب میری تفصیلی گفتگو ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کی حالت میں
صورت حال پر اپنی گرفت پوری طرح مضبوط رکھتے ہیں اپنے افکار اور پروگرام کے بارے
میں بھی وہ کسی طرح کے ابہام میں مبتلا نہ تھے۔ وہ ایران میں انقلاب کے بارے میں
دو ٹوک اور حتمی رائے رکھتے تھے کہ ایران کا انقلاب سو فیصدی اسلامی ہوگا اور اس کی
قیادت علماء کو ہی کرنی ہوگی۔ امام خمینی نے اس ملاقات میں بتایا اور یہ تاثر دیا کہ ان کے وہ
کیسٹ جو اعلامیہ کہلاتے ہیں ان کے اثرات سے وہ پوری طرح آگاہ ہیں۔ وہ ساواک
سے خوفزدہ نہ تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایران میں زیادہ سے زیادہ ساواک کے
پچاس ہزار ایجنٹ ہوں گے جن سے زیادہ خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے اصل معاملہ ایرانی
فوج کا تھا۔

شاہ ایران کی فوج کی نفری سات لاکھ تک پہنچ چکی تھی مجاہدین خلق اور
فدائین خلق مسلح تشدد اور تصادم کے حامی تھے لیکن امام خمینی فوج کے ساتھ تصادم
کے خلاف تھے۔ فوج سے ٹکر لینے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ان کے سامنے کئی عرضداشتیں

علمار کرام رہبر انقلاب کے ہمراہ

عوام نعرۂ تکبیر! اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔

اور منصوبے ہر روز رکھے جاتے تھے لیکن امام خمینی کا موقف یہ تھا کہ فوج سے ساتھ لڑائی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ فوج کو غیر مسلح کر دیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایرانی فوج نے شاہ کی اطاعت اور اندھی فرمانبرداری کی جو قسم کھائی ہے اس کو توڑنا چاہیئے چنانچہ ۱۹۷۷ء میں امام خمینی کے اعلامیوں میں فوج کو مخاطب کیا گیا کہ فوج شاہ کی اطاعت ترک کر دے کیونکہ وہ شاہ کے سپاہی نہیں اللہ کے سپاہی ہیں وہ فوج کو کیسٹوں کے ذریعہ ہدایت کرتے کہ فوج کو اپنے مسلمان بھائیوں پر گولی چلانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں اور فوجیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھروں کو جائیں اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد اور خدا کی طرف رخ کریں۔

امام خمینی نے اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا ۱۹۷۸ء کے وسط میں سپاہی فوج سے بھاگنے لگے۔ ایران میں انقلاب کے بعد جو شاہ دستاویزات ہاتھ لگیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسرائیلی ایجنٹ تھے جنہوں نے سب سے پہلے یہ سراغ لگایا کہ ایرانی فوج کے سپاہی امام خمینی کے پیغام پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ شاہ ایران کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے اسے بے بنیاد اور جھوٹ قرار دیا۔ ۱۹۷۸ء کے موسم خزاں میں امام خمینی نے اپنے پیغام میں کچھ اضافہ کیا پہلے وہ فوجیوں کو ہدایت کرتے تھے کہ وہ فوج چھوڑ کر گھروں کو چلے جائیں اب انھوں نے ہدایت کی کہ سپاہی اپنے ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔

ادھر شاہ ایران نے امام خمینی کی کردار کشی کا فیصلہ کر لیا۔ دسمبر ۱۹۷۷ء میں تہران کے مقبول ترین روزنامے "اطلاعات" کے مدیر فرہاد مسعودی کو "ساواک" کی طرف سے ایک مضمون دیا گیا کہ وہ اسے اپنے روزنامے میں شائع کرے۔ اس مضمون میں امام خمینی کی ذات پر بے بنیاد اور بڑے گھٹیا الزامات عائد کئے گئے تھے ایران میں پریس پر حکومت کا قبضہ اور کڑا سنسر تھا۔ حکومت اپنی پالیسی کے مطابق ہر اخبار کے مزاج پر پورے اترنے والے مضامین اشاعت کے لئے اخباروں کو بھیجا کرتی تھی۔ لیکن یہ مضمون اس حد تک گھٹیا اور اشتعال انگیز تھا کہ فرہاد مسعودی نے وزیر اطلاعات سے ملاقات کی اور شکایت کی کہ ہم نے یہ مضمون شائع کر دیا تو لوگ

ہی دن لوگ ہمارے دفتر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ وزیر اطلاعات نے بتایا کہ انھوں نے یہ مضمون نہیں پڑھا کیونکہ یہ مضمون لفافہ میں سربمہر براہ راست شاہی محل سے بھیجا گیا ہے۔

وزیر اطلاعات نے شاہی محل سے پوچھ کر "اطلاعات" کے مدیر کو اطلاع دی کہ اس مضمون کی اشاعت ناگزیر ہے جب مدیر نے مزید احتجاج کیا تو وزیر اطلاعات نے کہا کہ وہ وزیر داخلہ سے کہہ دے گا کہ آپ اور آپ کے اخبار کے دفتر کی حفاظت کا معقول انتظام کر دیا جائے۔ یہ مضمون شائع ہوا اور وہی ہوا کہ جس کا پہلے سے خدشہ تھا۔ عوام نے اخبار کے دفتر پر ہلہ بول دیا۔ بڑی مشکل سے عمارت تباہ ہونے سے بچی۔

نومبر ۱۹۷۷ء میں شاہِ ایران امریکہ گیا۔ وہائٹ ہاؤس میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی لیکن ایرانی طلباء نے شاہ کے خلاف امریکہ میں احتجاجی جلوس نکالے امریکی صدر کارٹر یکم جنوری ۷۸ء کو شاہِ ایران کے مہمان تھے۔ صدر کارٹر نے ایران کے بارے میں کہا "ایران اس وقت بحران کے سمندر میں استقامت اور قوت کا نشان ہے اور اس کی وجہ صرف ایران کے عظیم شاہ ہیں اسی روز مشہد میں مقیم ایک پوری اینٹی ایئر کرافٹ بٹالین جو پانچسو سپاہیوں پر مشتمل تھی اسلحے سمیت امام خمینی کے پیغام پر بھاگ نکلی۔

نئے سال کی آمد کے ساتھ ہی پورے ملک میں حالات تیزی سے بدلنے لگے پورے ملک میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ ہڑتالیں اور جلوس عام ہو گئے۔ امام خمینی خود بھی چاہتے تھے کہ اس طرح ایرانی پولیس اور "ساواک" کو تھکا دیا جائے اور فوج کو عوام کے ساتھ ملا دیا جائے۔ امام خمینی کسی صورت میں بھی فوج کے ساتھ تصادم نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے پیرو کاروں کو ہدایت کی۔

اقلید فارس کے شہر میں ہزاروں کفن پوش امام خمینی کی حمایت میں مظاہرہ کر رہے ہیں۔ !!!

تم اپنے فوجی بھائیوں کے دلوں سے اپیل کرو۔ اگر وہ تم پر گولی بھی چلائیں تمہیں قتل بھی کر دیں تو جوابی کارروائی نہ کرنا۔ اُن کو پانچ ہزار دس ہزار بیس ہزار انسانوں کو ہلاک کر لینے دو ۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ہر وقت اُن کو خوش آمدید کہیں گے۔ ہم ثابت کر دیں گے کہ انسانی خون کا رشتہ تلوار سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے شاہ فوج کو استعمال کرنا چاہتا ہے اور فوج اس کا حکم مانے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ سپاہی اس وقت بوکھلاہٹ کا شکار ہیں۔ وہ احکام کی تعمیل کرنا چاہتے ہیں آخر وہ حکم کیوں نہ مانیں۔ سپاہی اپنی فوج کے ڈسپلن کے پابند ہیں۔ لیکن آج نہیں تو کل وہ اپنے آپ کو ان پابندیوں سے آزاد کرا لیں گے۔ وہ شیطان کے پیروکار نہیں رہیں گے۔ بلکہ خدا کے بندے بن جائیں گے۔ اگر انھیں حکم ملے کہ وہ تم پر گولی چلائیں تو تم اُن کے سامنے اپنے سینے کھول کر کھڑے ہو جاؤ مرتے وقت تم ان پر اپنی محبت اور خون کے جو نذرانے پیش کرو گے وہ ان کے دل جیت لیں گے۔ شہید کے خون میں وہ آواز شامل ہے جو ہزاروں انسانوں کو بیدار کر دے گی۔"

امام خمینی نے اپنے ان اعلامیوں میں ایک لفظ وجدان کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ انھوں نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ وجدان سے کام لیں اور فوج سے وجدان سے مخاطب ہوں وہ وجدان کو انسان کی روح اور ضمیر سے تعبیر کرتے ہیں ایران بھٹی کی طرح دہکتا ہوا انقلاب کی دہلیز تک آپہنچا تھا اور شاہ ایران معمولی تبدیلیوں میں یقین رکھتا تھا۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں اس نے جمشید آموز گار کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اس کا پیشرو امیر عباس ہویدا بارہ برس تک ایران کی سرکاری سیاسی جماعت رستاخیز اور حکومت کا سربراہ رہا تھا جمشید آموز گار بنیادی طور پر انجینئر تھا اور وزارت داخلہ کا سربراہ رہ چکا تھا لیکن اس تبدیلی سے صورت حال پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فوج کے سپاہی مسلسل فوج سے اسلحے سمیت غائب ہو رہے

تھے امام خمینی کے اعلامیہ پورے ایران میں گردش میں تھے امام خمینی نے اب یہ اعلان کیا تھا کہ انقلاب کے لیے کمیٹیاں قائم کی جائیں اور ہر مسجد کو انقلاب کے لئے ایک کمیٹی کی صورت دے دی جائے۔

شاہ کے محل میں جنرل افشار امینی کو شاہ کا بھرپور اعتماد حاصل تھا۔ وہ شاہ کے ذاتی دفتر کا انچارج تھا اسی کی معرفت شاہ اور "ساواک" اور فوجی افسروں کا رابطہ ہوتا تھا۔ افشار امینی صورت حال کو بھانپ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شاہ تھک گیا ہے اسے آرام اور بیرون ملک تفریح کی ضرورت ہے لیکن ایسے حالات میں کسی معقول دلیل کے بغیر شاہ کا ملک سے باہر جانا خطرناک تھا۔ جنرل افشار امینی کا خیال تھا کہ اگر اسکول اور کالج یونیورسٹیاں وغیرہ بند کردی جائیں اور شاہ اور اس کا کنبہ کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلا جائے تو شورش دب جائے گی لیکن اس کے اندازے غلط ثابت ہو رہے تھے۔ ۱۷ جون ۱۹۷۸ء کو پورے ایران میں ہڑتالیں شروع ہوئیں اور جلوس نکالے گئے۔ عوام مطالبہ کر رہے تھے کہ نئے انتخابات کرائے جائیں اور شہری حقوق بحال کئے جائیں۔ ایک طبقہ یہ نعرہ بھی لگا رہا تھا کہ شاہ ایران سے چلا جائے۔

شاہی محل میں کوئی شخص بھی صورت حال کے بارے میں ایک دوسرے سے متفق نہ تھا۔ شاہی محل میں تین افراد سب سے زیادہ اہم تھے۔ شاہ ایران۔ ملکہ فرح دیبا اور جنرل افشار امینی۔ محل سے باہر شہزادی اشرف پہلوی اور امریکہ میں ایران کا سفیر اُردشیر زاہدی مؤثر ترین شخصیت کے حامل تھے۔ ملکہ فرح دیبا کو حالات کا قدرے بہتر علم تھا۔ وہ ہر روز اپنے عزیزوں سے ملتی اور اسے حالات کی خبر ہوتی رہتی تھی۔ وزراء، درباری، معززین اعلیٰ سرکاری افسر بھی یہ چاہتے تھے کہ صورت حال کا تذکرہ شاہ ایران سے کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ملکہ سے بیان کیا جائے۔ "ساواک"
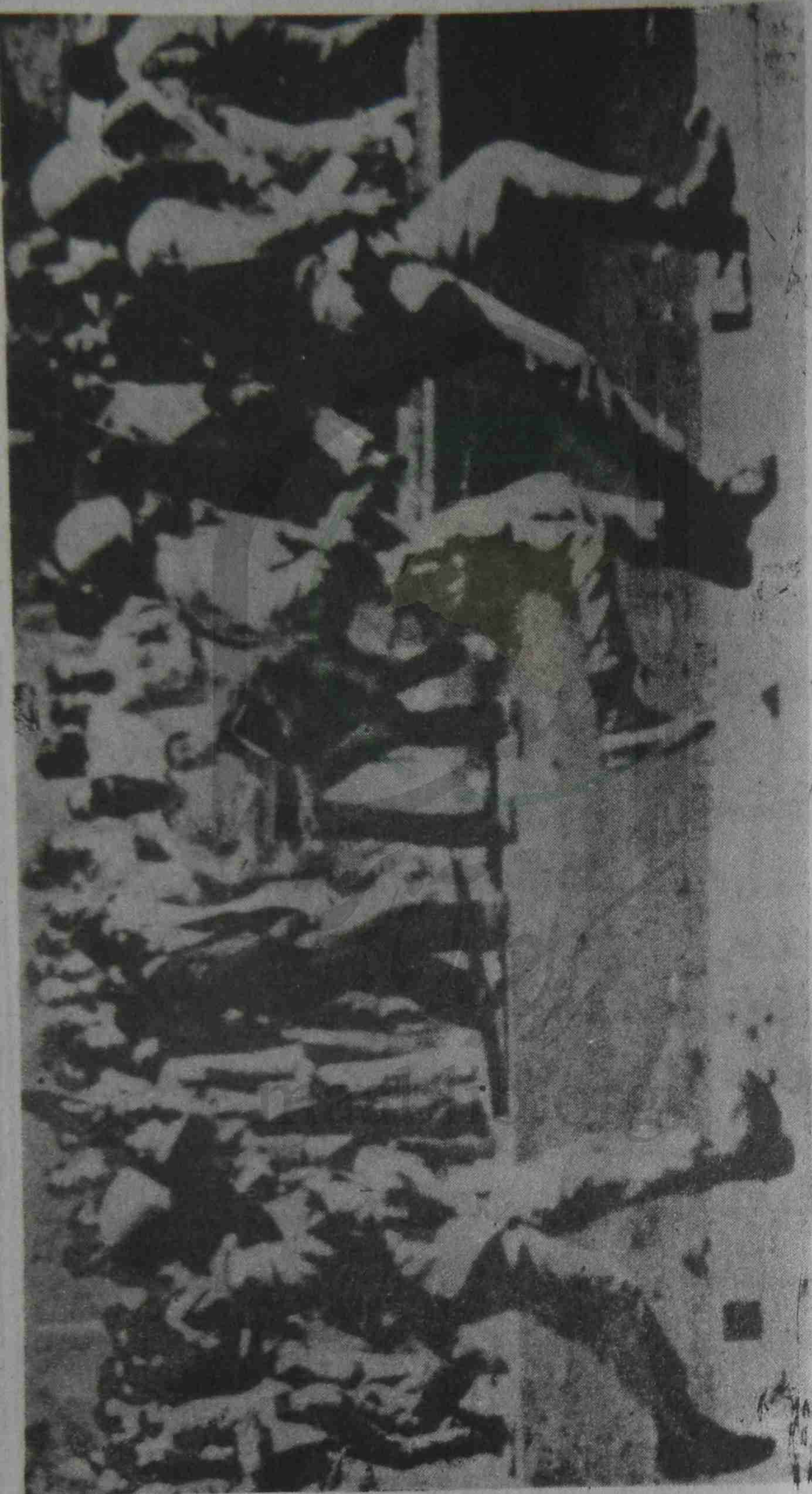
عوام اپنے حقوق کے لئے ساواک کے ایجنٹوں سے نبرد آزما ہیں۔

کے ڈپٹی چیف جنرل مقدمی نے ملک کی صورت حال پر تیس صفحوں پر مشتمل ایک رپورٹ ملکہ فرح دیبا کو پیش کی تھی۔ اس رپورٹ کے مطالعے کے بعد ملکہ فرح دیبا اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے شاہ سے سفارش کی کہ جنرل مقدمی کو "ساواک" کا سربراہ بنایا جائے اس زمانے میں شاہ کا رویہ بڑا عجیب ہو چکا تھا وہ کسی معاملے میں اپنا ردعمل ظاہر نہ کرتا تھا۔ اس نے ایک مطلق العنان حکمران کی طرح معنی خیز چپ سادھ لی تھی وہ اپنے دفتر کی کھڑکی سے گھنٹوں باہر کی طرف دیکھتا رہتا اور کسی سے کلام نہ کرتا۔

ملکہ فرح دیبا نے تخت و تاج سے معزول ہو کر قاہرہ میں پناہ لینے کے بعد بتایا تھا کہ اس زمانے میں پہلی بار اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ شاہ ایران شدید علیل ہے اس وقت شاہ کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ ایک دن وہ کوئی فیصلہ کرتا اور دوسرے دن بالکل اسی کے برعکس حکم جاری کر دیتا۔ شاہ کسی صورت میں بھی اپنی بیماری کا راز کسی کو بتانے کے لئے تیار نہ تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کو کمزور سمجھ لیا جائے گا جب لوگ شاہ سے ملنے آتے تو وہ کوئی تاثر دیئے بغیر سنتا رہتا۔ بعض اوقات تو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ دوسرے کی بات پر توجہ بھی دے رہا ہے یا نہیں۔

ملکہ فرح دیبا حالات کو سمجھ رہی تھی اس کے ذہن پر ایک ہی خیال سوار تھا کہ جس طرح بھی ہو تخت و تاج کو بچایا جائے اور اس کا بیٹا ایران کا بادشاہ بن جائے۔ شاہ ایران کے بارے میں وہ زیادہ فکر مند نہ تھی اکثر وہ شاہ سے اس کی عیاشیوں اور بے انصافیوں کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کرتی تھی۔ جب وہ لوگ میکسیکو میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تو دیبا نے شاہ ایران سے علیحدگی کا بھی فیصلہ کر لیا تھا ملکہ فرح دیبا نے ایک بار بڑے غصہ میں جعفر شریف امامی سے کہا تھا "میں اپنے شوہر کے لئے اس لئے اہمیت رکھتی تھی کہ حاملہ ہو گئی تھی۔ مجھے ایک اچھی گائے سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔"

اسرائیلی اور امریکی سرگرم عمل تھے۔ ایران میں جو کچھ ہو رہا تھا اس میں سب سے زیادہ دلچسپی اسرائیلی ایجنٹ اور امریکی سفارت خانہ اور سی آئی اے لے رہی تھی۔ ایران میں اس وقت سی۔ آئی اے کے اُن ایجنٹوں کی تعداد کا شمار کرنا مشکل ہو گیا تھا جو مختلف بہروپوں میں وہاں سرگرم عمل تھے اُس وقت جبکہ ایران کی حکومت یا امریکی سی آئی اے کو خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی ان کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا تو شاہ ایران کے دن گنے جا چکے ہیں۔

ایران میں اسرائیلی مشن کو سفارت خانے کا درجہ حاصل نہ تھا اس کا سربراہ اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کا ایک اہم سرکاری رکن یوری لبرانی تھا تہران میں اسرائیلی مشن کا دفتر ایک قلعہ نما عمارت میں تھا حفاظت کے لیے آہنی اور بجلی کے تاروں کی باڑ لگائی گئی تھی۔ اس عمارت کا ایک خفیہ دروازہ بھی تھا۔ اگر کسی وقت عمارت پر حملہ ہو تو افراد اس خفیہ دروازے کی مدد سے جان بچا کر بھاگ سکیں۔ اسرائیل کی طرف سے جنرل افشار کی معرفت صورت حال کی سنگینی کے بارے میں رپورٹ پیش کی گئی تو شاہ ایران نے اسرائیلی مشن کو پیغام بھجوایا کہ وہ ایسی افواہیں پھیلانا بند کر دے۔

ان لوگوں کو جو شاہ کے قریب اور حکومت سے متعلق تھے علم تھا کہ اس وقت شاہ کے سامنے چار راستے ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت اس طرح سے تبدیل کر دی جائے اور طرز حکومت ایسا اختیار کیا جائے کہ ایرانی عوام خوش ہو جائیں۔ دوسرا راستہ یہ کہ شاہ ایران عوامی شورش کے خلاف سخت ترین قدم اٹھائے اور ظلم و ستم کا ہر حربہ اختیار کر کے شورش کو کچل کر رکھ دے لیکن حکومت میں کوئی بنیادی تبدیلی کرنے کا وقت گزر چکا تھا فوج میں انتشار پیدا ہو چکا تھا اور پوری طرح اس پر بھروسہ نہ کیا جا سکتا تھا تیسرا راستہ یہ تھا کہ شاہ ایران لمبے عرصے کے لئے سیر و تفریح کے بہانے ملک سے باہر چلا جائے اور اپنی عدم موجودگی میں ایک ریجنسی کونسل کو کام کرنے دے جس کی سربراہ ملکہ

فرح دیبا ہو۔ اگر حالات بہتر ہو جائیں تو پھر شاہ مناسب اور موزوں وقت پر ایران
واپس آکر پھر سے حکمرانی کرے۔ اگر حالات سازگار نہ ہوں تو پھر ملکہ فرح دیبا اس وقت
تک حکومت کی سربراہی کرتی رہے جب تک ولیعہد شہزادہ بالغ نہیں ہو جاتا۔
چوتھا راستہ جو ایک طرح سے سی آئی اے نے تجویز کیا۔ یہ تھا کہ ایران میں فوجی
انقلاب برپا کیا جائے۔ ایسے انقلاب کے لئے سی آئی اے والے پاکستان کی مثال
دیتے تھے۔ سی آئی اے کا منصوبہ یہ تھا کہ مرضی کا فوجی حکمران اقتدار پر فائز کر کے شاہ
ایران کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یوں ایران کے انقلابی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائینگے
جب مناسب وقت آئے تو شاہ کو فوج اقتدار واپس کر دے۔
شاہ اور اس کا خاندان تیسرے طریقے پر زیادہ غور کر رہا تھا۔ اس منصوبے کو اسرائیل
کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اصل میں اسرائیل کسی صورت میں شاہ ایران کو کھونا نہ چاہتا تھا کیونکہ
مسلم دنیا میں یہ شاہ ایران ہی تھا جو ان کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ اور ان کے مفادات
کا پورا خیال رکھے ہوئے تھا۔
امریکہ میں ایران اور شاہ ایران کے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کی متصادم
پالیسیاں سوچی جا رہی تھیں۔ سی آئی اے کا منصوبہ اور تجزیہ کچھ اور تھا۔ وائٹ ہاؤس
کے وزیروں اور اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ آنے والے دس برسوں تک شاہ ایران کو
کوئی ہلا نک نہیں سکتا اس لئے اتنی تشویش بے معنی ہے بہر حال ملکہ فرح دیبا شک
شبہات کا شکار ہو گئی اسے امریکی پالیسی کی کچھ سمجھ تو نہ آرہی تھی مگر دل میں اس نے یہ رائے
ضرور قائم کر لی تھی کہ امریکہ اس کو ریجنسی کونسل کا سربراہ بنتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا
حالات اتنے خراب ہو رہے تھے کہ جعفر شریف امامی نے جو اس وقت پہلوی فاؤنڈیشن
کا سربراہ تھا۔ ملکہ فرح دیبا کو ترغیب دی کہ وہ جس طرح بھی ہو شاہ ایران کو نازک
صورت حال اور حقیقت کا احساس دلائے۔ یہ ایسے دن تھے جب شاہ ایران لور

ملکہ فرح دیبا ہیں بہت کم ملاقات ہوتی تھی شاہ نے اپنے آپ کو محل کے ایک حصے میں اس طرح سے پابند کر رکھا تھا ملکہ شاہ سے ملنے گئی اور بتایا کہ اس کے عزیز اور رشتہ داروں نے اسے بتایا ہے کہ ملک میں شورش کس حد تک پہنچ گئی ہے۔

شاہ ایران نے ہاتھ ہلا کر اس کی ہر دلیل کی نفی کر دی اور کہا کہ اس نے اپنے ذرائع سے صورت حال معلوم کی ہے ملک میں امن وامان ہے اور ملکہ کے عزیز و اقارب اسے جھوٹی خبریں فراہم کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود جب ملکہ نے اصرار کیا تو شاہ نے کہا کہ وہ اپنے کسی معتبر اور قابل اعتماد آدمی کے ذریعہ حالات کا پتہ چلائے گا جب اس نے غور کیا تو اسے اپنے ایک ذاتی خدمت گار کے علاوہ اور کوئی قابل اعتماد شخص نظر نہ آیا شاہ ایران نے اسے کہا کہ وہ شہر میں جا کر شہر کی صحیح صورت حال کی خبر لے کر آئے

یہ ذاتی خدمت گار تھوڑے عرصے کے بعد واپس آیا تو اس نے کہا "یہ درست ہے کہ کچھ لوگ شہر میں آپ کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں لیکن یہ سب لوگ کمیونسٹ ہیں جنہیں اس کام کے لئے معاوضہ دیا گیا ہے۔ باقی شہر میں امن وامان ہے"۔ شاہ ایران نے اپنی ملکہ سے کہا "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ ملک میں امن وامان ہے"۔ ملکہ یہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور آنسو بہاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

شاہ ایران اس خود فریبی کے باوجود اندر سے ہل چکا تھا دوسرے دن اس نے اپنے ذاتی پائلٹ کو طلب کیا اور اس کے ساتھ وہ ہیلی کاپٹر پر سوار ہو کر باہر کا نظارہ کرنے نکلا۔ شاہ نے ہیلی کاپٹر سے دیکھا کہ دارالحکومت تہران کے بازار اور گلیاں احتجاج کرتے ہوئے انسانوں کے ہجوم سے بھرے ہوئے ہیں۔ شاہ نے اپنے پائلٹ سے پوچھا "کیا یہ سب لوگ میرے خلاف احتجاج کر رہے ہیں؟" پائلٹ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کی خاموشی ہی مؤثر ترین جواب تھی۔ شاہ جب اپنے محل میں واپس آیا تو وہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اسے شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی شخص نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکے۔

اس روز شاہ نے اپنے ذاتی محافظوں کو سختی سے یہ حکم صادر کیا کہ اس سے ملنے والے ہر شخص کی پہلے باقاعدہ اور پوری تلاشی لی جائے شاہ ایران نے اپنے ذاتی محافظوں کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ کوئی شخص بھی تلاشی سے مبرا نہیں... کوئی بھی حتیٰ کہ ملکہ بھی...۔"

اُس رات جب ملکہ فرح دیبا اپنے شوہر سے ملنے کے لئے شاہ کے اقامتی حصے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ شاہ کے کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل ہے ملکہ نے اس وقت نائٹ گاؤن پر ایک لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ شاہ کے محافظوں کے افسر نے آنکھوں میں آنسو بھر کر ملکہ کو بتایا کہ شاہ کا فرمان ہے کہ ان کے کمرے میں کسی کو بغیر تلاشی کے نہ آنے دیا جائے ملکہ نے انکار کر دیا اور واپس چلی گئی تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آئی اس نے محافظ سے کہا۔ میری تلاشی لو۔ ملکہ رو رہی تھی اور محافظ بھی آنسو بہا رہا تھا۔ وہ اپنی ملکہ کو چھونے کی جرأت اپنے اندر نہیں پا رہا تھا اس نے کہا۔ ملکۂ عالیہ آپ اندر چلی جائیں"۔ اس نے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ پھر شاہ اور ملکہ کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟ اس کا علم کسی کو نہیں۔

اگست ۱۹۷۸ء میں حالات کی تبدیلی کی رفتار تیز ہوگئی۔ تہران کے ایک ریستوران میں بم پھٹا جس سے ایک آدمی ہلاک اور چالیس شدید زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں دس امریکی بھی شامل تھے۔ اس کے ایک ہفتے کے بعد ابادان کے ایک سینما میں آگ لگ گئی سینکڑوں لوگ فلم دیکھ رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق ۴۳۰ افراد جل کر ہلاک ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ سینما کے دروازے مقفل کر دیئے گئے تھے تاکہ کوئی شخص زندہ بچ کر باہر نہ جاسکے۔ جائے واردات پر فائر بریگیڈ والے بھی غیر معمولی تاخیر کے بعد پہنچے حکومت نے اس آتشزدگی کا الزام "اسلامی مارکسسٹوں" پر لگایا سارے ملک کے عوام کا ایک ہی خیال تھا کہ یہ ظلم و ستم بھی ساواک نے ہی ڈھایا تھا کیونکہ ساواک لوگوں کو دہشت زدہ کرنا چاہتی تھی۔ ابادان کے اس واقعہ نے ایرانی انقلاب میں مزید تیزی پیدا کر دی۔ فسادات شروع ہوگئے۔ سرکاری عمارتوں پر حملے ہونے لگے "شاہ مردہ باد" کے

نعرے گونجنے لگے۔ فوجیوں نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے ہجوم کے سروں کو نشانہ بنایا۔

محل میں بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری تھا بالآخر فیصلہ ہوا کہ شاہ ملک ہی میں رہیگا اور حکومت میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں گی جمشید آموزگار کو وزارت عظمٰی کے عہدے سے ہٹانے اور جعفر شریف امامی کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ملکہ نے بھی اسکی حمایت کی لیکن لوگوں کی رائے جعفر شریف امامی کے بارے میں کبھی اچھی نہ ہوئی تھی۔ وہ بددیانت تھا اور امریکی سفارتخانہ بھی شاہ کے اس فیصلے پر خوش نہ ہوا۔ جب اس فیصلے کی بھنک باہر پہنچی تو ایرانی افواج کے تین جرنیل۔ بدری۔ رحیمی اور اویسی۔ محل میں گئے اور شاہ کے اس فیصلے کی مخالفت کی۔ شاہ لوکھلایا ہوا تھا۔ غیر یقینی صورت حال کا شکار تھا۔ ۲۷ اگست ۱۹۷۸ء کو شاہ نے جعفر شریف امامی کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ یہ فیصلہ ایسی سرعت سے ہوا کہ وزارت خارجہ کا سربراہ عباس خلعت باری اس دن چین کے صدر ہوا کے استقبال کے لئے ائیرپورٹ جارہا تھا کہ اس نے کار میں ریڈیو سے خبر سُنی کہ اسے وزارت خارجہ سے سبکدوش کر دیا گیا ہے اور نئی کابینہ میں امیر خسرو کو وزیر خارجہ بنا دیا گیا ہے۔ خلعت باری نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ وہ کار کو واپس گھر لے چلے۔

شریف امامی نے وزیر اعظم بنتے ہی اپنے چھ نکاتی پروگرام کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی تھا کہ اب ایران کا کیلنڈر تبدیل کر کے اسلامی کیلنڈر کے مطابق سن ہجری کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ شریف امامی کے وزیر اعظم بننے کے ایک ہفتے کے بعد تہران میں بہت بڑا احتجاجی جلوس نکلا۔ جلوس شاہ کی معزولی اسلامی قانون کے نفاذ اور امام خمینی کی واپسی کے نعرے لگا رہا تھا۔

مارشل لاء نافذ کر دیا گیا لیکن مارشل لاء کے باوجود دوسرے دن جلوس نکلا وہ پہلے جلوس سے بھی بڑا تھا جو اب مارشل لاء کے خلاف بھی نعرے لگا رہا تھا۔ فوج نے رائفلوں کے منہ کھول دیئے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ایک سو افراد ہلاک ہوئے بحقیقت اس کے برعکس

تھی۔ مرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

امام خمینی کے "اعلامیئے ایران میں گونج رہے تھے۔ وہ اب بھی اپنے پیروکاروں کو یہی تلقین کر رہے تھے کہ وہ فوج سے متصادم نہ ہوں نہ سپاہیوں سے بات چیت کرو اپنے سینے ان کے سامنے ننگے کر دو۔ ان پر ہاتھ نہ اٹھاؤ ان کے خلاف ایک اینٹ بھی نہ پھینکی جائے"۔ امام خمینی نے اب یہ مطالبہ بھی داغ دیا تھا کہ پورے شاہی خاندان کو ایران سے نکال دیا جائے۔ ملکہ فرح دیبا کی اب ساری امیدیں دم توڑنے لگی تھیں

۱ر ستمبر کو ایرانی مجلس میں جعفر شریف امامی نے اپنی کابینہ کے ارکان کی فہرست پیش کی کہ ایرانی مجلس کے تیور بھی بدل چکے تھے بہت سے ارکان ملکی حالات سے متاثر تھے اس لئے انھوں نے احتجاجاً رائے شماری میں حصہ نہ لیا اور کہا کہ وہ جعفر شریف امامی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

عالمی سیاسی تاریخ کا یہ ایک اہم دن تھا۔ اسی روز کیمپ ڈیوڈ میں اسرائیل اور مصر کے درمیان امریکہ سمجھوتہ کرایا تھا۔ صدر سادات اور اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن نے ہاتھ ملائے تھے اور اسی روز امریکی صدر کارٹر نے شاہ ایران کو فون پر پھر یہ یقین دلایا تھا کہ ایران اور امریکہ کے تعلقات ہمیشہ مضبوط رہیں گے۔ ادھر جعفر شریف امامی نے ایران میں حکومت قائم کر کے اعلان کیا کہ مارشل لاء ملک میں چھ ماہ سے زیادہ نافذ نہ رہے گا۔

ابادان کے سینما میں دھماکے اور آگ کے واقعہ کے بعد فوج پولیس کی مدد کے لئے شہروں میں آ چکی تھی چیف آف اسٹاف جنرل اظہری نے شاہ کو بتایا کہ فوج کے سپاہی حتی الامکان یہ کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ایرانی عوام کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں اور یہ صورتحال بیحد خطرناک ہے۔ فوج کا ڈسپلن بھی تباہ ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ حکومت بھی سخت پالیسی اختیار کرے لیکن شاہ ایران اس کے لئے تیار نہ ہوا اور امام خمینی نے تازہ "اعلامیہ" میں ایرانی فوج کو مخاطب کر کے کہا۔ تم نے اپنے بھائیوں پر گولیاں چلائیں۔ تم پھر گولیاں چلاؤ۔ تمہارے

اپنے بھائی اور تمہاری اپنی بہنیں اپنے سینوں پر تمہاری گولیاں کھائیں گے اور خدا سے دعا کریں گے کہ خدا انہیں معاف کر دے۔"

حکومت سوچ رہی تھی کہ امام خمینی کے ساتھ کیا کیا جائے؟ جعفر شریف امامی نے یہ چال چلی کہ امام خمینی کو دعوت دی کہ وہ ایران واپس آجائیں ان کو معاف کر دیا جائے گا۔ امام خمینی بھی اُس زمانے میں کچھ متشوش تھے۔ انھوں نے فرانس سے کویت جانے کی کوشش کی لیکن کویتی حکومت رضامند نہ ہوئی۔ ابوالحسن بنی صدر نے امام خمینی سے درخواست کی وہ فرانس میں ٹھہریں اور یہیں سے انقلاب کی قیادت کریں۔ فرانسیسی حکومت نے امام خمینی کو فرانس میں ٹھہرنے کی عارضی اجازت چھ ماہ کے لئے دی تھی اور انقلابی کمیٹی کے ارکان اس فکر میں مبتلا تھے کہ اگر فرانسیسی حکومت نے اس میں توسیع نہ کی تو امام خمینی کہاں جائیں گے۔ اس زمانے میں میں نے امام خمینی سے ملاقات کی تھی اور الجزائر کی حکومت سے رابطہ قائم کیا تھا۔ میری درخواست پر الجزائر نے یہ رضامندی ظاہر کر دی تھی کہ اگر حالات خراب ہوں تو الجزائر امام خمینی کو پناہ دینے پر آمادہ ہوگا۔

امام خمینی اب دنیا بھر کی نگاہوں کا مرکز بن چکے تھے۔ دنیا بھر کے اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے نمائندے ان کو گھیرے رکھتے۔ ساری دنیا میں امام خمینی کی شخصیت اور انقلابی سرگرمیوں اور خیالات کا پرچار ہونے لگا تھا۔ وہ بین الاقوامی شخصیت بن چکے تھے اس وقت جب ساری دنیا میں امام خمینی کی تصویریں اور شہ سرخیاں شائع ہو رہی تھیں۔ ایرانی اخبارات میں ان کا نام لینا ممنوع تھا۔ روزنامہ "اطلاعات" تہران نے امام خمینی کی ایک پرانی تصویر شائع کی تو وحشی والے اخبار کے دفتر پر چڑھ دوڑے جس کے نتیجہ میں ایران کے تمام اخبارات اور پریسوں نے ہڑتال کر دی۔ ۱۴ اکتوبر کو یہ سمجھوتہ طے پایا کہ اخبارات شاہ ایران اور افواج پر تنقید نہ کریں گے اور حکومت اور فوج دیگر معاملات میں اخبارات کے سلسلہ میں کوئی مداخلت نہ کرے گی۔

شاہ ایران عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آخری حربے اختیار کر رہا تھا۔ ۲۶ ستمبر کو شاہ نے اعلان کیا کہ اس کے خاندان کا کوئی فرد اب کسی طرح کے کاروبار اور بزنس میں شریک نہ ہوگا اور ایسی تمام سرگرمیاں بند کردی جائیں گی۔ ۲۲ اکتوبر کو وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ایران نے اپنا ۲ بلین ڈالر کا ایٹمی توانائی کا منصوبہ منسوخ کر دیا ہے۔ کیونکہ عوام کی بہبود کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ "ساواک" کے ۳۴ افسروں کو یا تو معطل کر دیا گیا یا ریٹائر کر دیا گیا۔ جنرل نصیری کو جسے "ساواک" کے عہدے سے ہٹا کر پاکستان میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا تھا واپس بلا لیا گیا۔ عام اعلان کیا گیا کہ لوگوں کو انصاف ملیگا۔ جن لوگوں کو سیاسی قیدیوں کی حیثیت سے جیلوں میں ڈالا گیا ہے۔ ان کی قسمتوں کے فیصلے بھی جلد کر دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان بھی ہوا کہ عوام کو جو مصائب اٹھانے پڑے ہیں اسکی بھرپور انداز میں تلافی کی جائیگی۔

امریکہ شاہ کی حمایت میں پروپیگنڈے میں مصروف تھا۔ صدر کارٹر بیان جاری کر رہے تھے کہ ایران میں جو تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں وہ ایرانی عوام کے لئے مفید ثابت ہوں گی اور ایران اور امریکہ کی دوستی سر کڑے وقت میں مضبوط ثابت ہوگی۔ صدر کارٹر نے شاہ کے اس اقدام کو سراہا کہ ایران میں جمہوریت کو نافذ کیا جا رہا ہے اور صدر کارٹر نے یہ موشگافی بھی کی کہ شاہ کی مخالفت ایران میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو جمہوریت کے دشمن ہیں۔

اس سارے پروپیگنڈے کا ایرانی عوام پر کوئی اثر نہ ہوا۔ صورت حال مزید سنگین ہوگئی۔ تیل کے کنوؤں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں نے ہڑتال کر دی حکومت نے خود اعتراف کیا کہ تیل کی روزانہ پیداوار پچاس لاکھ بیس ہزار بیرلوں سے گھٹ کر ایک لاکھ پچاس ہزار بیرل تک پہنچ گئی ہے۔ تیل کی تنصیبات کو کسی متوقع نقصان سے بچانے کے لئے فوج کو وہاں تعینات کر دیا گیا۔ ایرانی عوام کے احتجاج اور مظاہروں کا سلسلہ جاری رہا ایرانی حکومت بھی کچھ بوکھلائی کچھ مشورے بھی ہوئے اور واشنگٹن میں ایران کے سفیر اردشیر زاہدی

سے کہا گیا کہ وہ یہ تجاویز لے کر شاہ ایران کے پاس جائے اُردشیر زاہدی ایسے نازک لمحات میں واشنگٹن سے جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ صدر کارٹر نے اسے کہا: آپ کی عدم موجودگی میں میں امریکہ میں ایرانی سفیر کے فرائض انجام دوں گا۔"

اردشیر زاہدی تہران پہنچ کر شاہ سے ملا۔ دونوں نے ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر تہران کا نظارہ کیا۔ اس روز بہت بڑا احتجاجی جلوس نکلا تھا اور برطانوی سفارتخانے کی عمارت پر حملہ کیا گیا تھا۔ کئی کاریں اور بسیں جلا دی گئی تھیں۔ ایران میں مقیم امریکی سفیر سلیوان کو فوری طور پر شاہ نے اپنے محل میں طلب کیا۔ سفارت خانے سے شاہ کے محل تک امریکی سفیر کو مشتعل ہجوم اور آگ کے مناظر کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ محل میں کوئی اس کا استقبال کرنے والا موجود نہ تھا۔ بالآخر ملکہ فرح دیبا اسے شاہ کے پاس لے گئیں اُردشیر زاہدی اور چیف آف اسٹاف جنرل غلام رضا اظہری موجود تھے۔

شاہ نے امریکی سفیر سلیوان کو بتایا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا ہے کہ ملک میں فوجی حکومت قائم کر دی جائے۔ شاہ نے اس سے مشورہ طلب کیا۔ امریکی سفیر اس سلسلے میں پہلے ہی واشنگٹن بات چیت کر چکا تھا۔ اس نے کہا امریکی حکومت کو اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگلے دن چھ نومبر کو جعفر شریف امامی کی حکومت توڑ دی گئی اور حکومت پر جنرل اظہری نے قبضہ کر لیا۔ جنرل اظہری ذاتی طور پر اس "بے کار" ذمہ داری کو قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھی جرنیلوں نے اسے ترغیب دی کہ وہ یہ ذمہ داری سنبھال لے۔ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے باوجود جنرل اظہری نے امریکی سفیر سلیوان کو کہا کہ وہ ذمہ داری عارضی طور پر سنبھال رہا ہے فوجی حکومت زیادہ دنوں تک نہ چل سکے گی۔ جبر اور تشدد سے بات بگڑ جائیگی امریکی سفیر سلیوان نے اُسے یقین دلایا کہ امریکی حکومت صورت حال کو سنبھالنے میں اس کی مدد کرے گی اور اس نازک مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل ضرور مل جائیگا۔

جنرل اظہری کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد ابتدائی چند دن قدرے سکون سے گزرے۔ شاہ نے جنرل اظہری کو حکم دیا کہ اگر ضرورت پڑے تو فوج ہوا میں فائر کرے لوگوں پر گولی نہ چلائے۔ ایرانی عوام پر گولی نہ چلائے۔ ایرانی عوام کو جب اس حکم کی خبر ملی تو انھوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

فوج کے اقتدار سنبھالنے پر امام خمینی نے اپنا ردِ عمل اس بیان میں ظاہر کیا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ اس طرح فوج اور عوام کے درمیان خانہ جنگی کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ امام خمینی نے کہا "ایرانیوں کے لئے فوجی حکومت کوئی نئی نہیں۔ ہم ہمیشہ سے فوجی حکومت کے سائے تلے رہے ہیں لیکن اب فوج خود سامنے آگئی ہے۔ ماضی میں وہ شاہ کی جیب میں چھپی ہوئی تھی"۔

ساواک کے سربراہ کو ملکہ فرح دیبا کی پوری حمایت حاصل تھی شاہ کو مشورہ دیا کہ شاہ کریم سنجابی سے رابطہ قائم کرے۔ کریم سنجابی پرانے سیاستدان آزاد خیال اور مصدق کے ساتھی تھے۔ شاہ نے کریم سنجابی سے ملاقات کی اور اُسے کہا کہ وہ قومی حکومت بنائے۔ کریم سنجابی نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا سب نے یہ فیصلہ دیا کہ مارشل لاء کے تحت کسی طرح کی قومی حکومت کا تصور بھی محال ہے۔ کریم سنجابی نے اس سلسلے میں شاہ سے کہا کہ وہ امام خمینی سے ملنا چاہتا ہے اس لئے اسے فرانس جانے کی اجازت دی جائے۔ اجازت ملنے پر کریم سنجابی پیرس گئے اور امام خمینی سے ملاقاتیں کیں۔

۱۰ نومبر کو کریم سنجابی تہران پہنچے۔ امام خمینی نے کسی سمجھوتے کو قبول نہ کیا تھا۔ وہ شاہ اور شاہی خاندان کے کسی فرد کے ساتھ کسی طرح کی کوئی رعائت روا رکھنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ۱۱ نومبر کو تہران پہنچتے ہی ایک پریس کانفرنس بلائی اور امام خمینی کے ساتھ اپنی بات چیت بیان کر دی۔ اسی روز کریم سنجابی کو گرفتار کر لیا گیا۔

انہی دنوں امریکی سفیر سلیوان کو جنرل اظہری کا پیغام ملا کہ وہ فی الفور اس سے ملاقات

کرے ۔امریکی سفیر جب وزیر اعظم کے دفتر پہنچا تو اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا۔ جہاں تاریکی تھی ۔جب بتیاں روشن کی گئیں تو اس نے دیکھا کہ جنرل اظہری بستر پر لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر آکسیجن ٹینٹ لگا ہوا ہے اس کی حالت بے حد خراب تھی۔ اس نے امریکی سفیر سے کہا: "شاہ کی متلون مزاجی کی وجہ سے اب وہ ذمہ داری زیادہ عرصے تک نہیں سنبھال سکتا ۔اب اس ملک کا کوئی مستقبل نہیں ہم فوج سے بھی پورا کام نہیں لے سکتے "

اس ملاقات کے بعد ۱۲ نومبر کو امریکی سفیر سلیوان نے واشنگٹن ایک تار بھیجا۔ کہ اب شاہ کی حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں جو بھی متبادل انتظام یا حل کرنا ہے وہ فی الفور کر لیا جائے۔ لیکن وائٹ ہاؤس سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔

شاہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عجیب حرکتیں کر رہا تھا۔ ۷ نومبر کو ساواک کے سابق سربراہ جنرل نصیری کو گرفتار کر لیا گیا پھر سابق وزیر اعظم امیر عباس ہویدا کی باری آئی۔ بہت سے تاجروں اور سرکاری افسروں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ان پر الزام لگا کہ وہ بددیانت تھے اور انھوں نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ ایک اعلان یہ بھی ہوا کہ شاہ کے بھائیوں اور بہنوں کے کاروباری امور کے بارے میں بھی تحقیقات ہو گی۔ امام خمینی نے اس پر فوری اعلانیہ جاری کیا: "وہ آدمی دراصل جس کے بارے میں تحقیقات کا آغاز ہونا چاہیئے وہ شاہ ایران ہے۔ اس کے بھائی بہنوں کو عدالت میں لانے کے بجائے شاہ کو عدالت میں لانا چاہیئے۔"

اور پھر ان طوفانی ایام میں واقعات نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور دوسری شخصیت سامنے آئی ۔مہدی بازرگان ۔ جو ان چند سیاستدانوں میں سے ایک تھے جنھیں امام خمینی کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ پہلے وہ نیشنل فرنٹ سے وابستہ تھے۔ بعد میں انھوں نے ایک اسلامی جماعت قائم کی تھی۔ ۱۹۶۱ء میں جب ان کو

گرفتار کیا گیا اور مقدمہ چلا تو مہدی بازرگان نے عدالت میں بڑی جرأت مندی سے مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ ایران اور اس کے والد پر تنقید کی تھی۔ اگرچہ ان کا بیان شائع کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ پھر بھی خفیہ ذرائع سے اس کی پورے ملک میں تشہیر ہوئی تھی۔ بعد میں رہائی کے بعد مہدی بازرگان نے ایران میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے ایک کمیٹی بھی بنائی جس کے وہ چیئرمین تھے۔ جب ایران میں مارشل لاء لگا تو مہدی بازرگان جیل میں تھے۔ نومبر کے مہینے میں ایک دن جیل کی کوٹھڑی میں بتایا گیا کہ شاہ کا ایک پیغام بر ان سے ملنے کے لئے آ رہا ہے۔ (جب میں مہدی بازرگان سے ملا تو یہ ساری تفصیل انھوں نے خود مجھے بتائی تھی؟

مہدی بازرگان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قاصد ساواک کا چیف جنرل مقدمی تھا۔ اس نے مہدی بازرگان کو تبلایا۔ "میں شاہ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ شاہ ایران ملکۂ برطانیہ کی طرح صرف آئینی بادشاہت پر ہی اکتفا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ شاہ کی اعانت کیوں نہیں کرتے؟"

مہدی بازرگان ایک ذہین سیاستدان تھے۔ انھوں نے جواب دیا۔ "یہ بات مجھے اس وقت کہی جا رہی ہے جب میں جیل میں قید ہوں جہاں میں کسی طرح سے بھی اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے مشورہ نہیں کر سکتا۔" ساواک کے چیف نے کہا کہ اگر آپ کو آزاد کر دیا جائے تو آپ اس پر غور کریں گے؟" مہدی بازرگان نے غور کرنے کی حامی بھری لہٰذا انہیں آزاد کر دیا گیا۔ شاہ ایران جہاں ایک طرف مہدی بازرگان سے رابطہ قائم کر رہا تھا وہاں واشگاف الفاظ میں یہ بھی کہہ رہا تھا کہ ملک میں جون ۱۹۷۹ء تک انتخابات نہیں ہو سکتے اور جب تک انتخابات نہیں ہوتے مارشل لاء نافذ رہے گا۔

انہی دنوں ایک دن تہران میں مقیم روسی سفیر وینوگراڈوف کو شاہ کا پیغام ملا کہ شاہ ملاقات کا خواہاں ہے۔ روسی حکومت ایرانی حالات کے پیش نظر یہ اعلان

کر چکی تھی کہ اس خطے میں بیرونی مداخلت ہوئی تو روس برداشت نہ کرے گا روس کا واضح اشارہ امریکہ کی طرف تھا۔ روسی سفیر کے لئے یہ پیغام حیران کن تھا۔ کیونکہ روسیوں کو شاہ نے بطور خاص مدعو کیا تھا۔ جونہی روسی سفیر دینوگراڈوف شاہ سے ملا شاہ نے ایک سوال داغ دیا۔ "آپ کے خیال میں میرے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ روسی سفیر نے ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ حضور والا! آپ حالات کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں"۔ شاہ نے اصرار کیا۔ "میں آپ کا تجزیہ سننے کا خواہاں ہوں"۔ روسی سفیر نے کہا۔ حضور! میں معذرت چاہتا ہوں۔ میرا تجزیہ خالص مارکسی نقطۂ نظر سے ہوگا جو آپ کو شاید پسند نہ آئے"۔ شاہ نے کہا۔ میں آپکا یہ مارکسی تجزیہ سننے کے لئے تیار ہوں"۔

روسی سفیر نے بڑی مہارت اور بڑے محتاط انداز میں ایرانی طبقاتی جدوجہد کا جائزہ بیان کرنا شروع کیا۔ شاہ نے کچھ عرصے تک دلچسپی کا اظہار کیا پھر اچانک ایک سوال داغ دیا۔ "اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" روسی سفیر نے جواب دیا۔ "جناب والا! میں کبھی بادشاہ نہیں رہا اس لئے میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا مجھے افسوس ہے کہ میں آپکی کوئی خدمت نہیں کر سکتا"۔ روسی سفیر نے ذہانت کا ثبوت دے کر شاہ کو مایوس کر دیا۔

جس وقت مہدی بازرگان اپنے دوستوں۔ ہم خیالوں اور امام خمینی کے پیروکاروں سے تبادلۂ خیالات کر رہے تھے امریکی سفارت کار بھی جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں سی آئی اے کا ایک خاص افسر بھی تہران میں امریکہ سے آیا جس کا نام راز میں رکھا گیا۔ مہدی بازرگان نے صلاح مشورے کے بعد ایک پانچ نکاتی منصوبہ امریکیوں کو پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے نکات یہ تھے۔

امام خمینی کی آمد کی خوشی میں

عوام کا جوش و خروش۔

۱۔ شاہ ملک سے طبی معائنے یا تفریح کے بہانے چلا جائے

۲۔ ایک ریجنسی کونسل قائم کردی جائے۔

۳۔ ایک قومی حکومت قائم کردی جائے جس کا سربراہ عوام کے لئے قابل قبول ہو۔

۴۔ مجلس کو توڑ دیا جائے۔

۵۔ ملک میں نئے انتخابات ہوں۔

امریکیوں نے ان تمام نکات کو پہلے اجلاس میں قبول کر لیا لیکن دوسری ملاقات میں اختلافات رونما ہونے لگے۔ بالآخر امریکیوں کو مہدی بازرگان کے منصوبے کو قبول کرنا پڑا۔ امریکیوں کا زیادہ زور اس بات پر تھا کہ ملک میں امن وامان قائم ہو مہدی بازرگان سمجھتے تھے کہ امن وامان صرف امام خمینی کی ہدایت اور رضامندی پر ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ جو کچھ طے پایا ہے، اس سے امام خمینی کو مطلع کرنے کے لئے آیت اللہ منتظری کو پیرس بھیجا جائے۔ اور امام خمینی سے ریجنسی کونسل کے افراد کے نام بھی پوچھ کر آئیں۔ امام خمینی نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ سمجھوتہ ایک فریب ہے انقلاب کو روکنے کی ایک سازش ہے۔

محرم کا مہینہ آیا۔ فوجی حکام نے یکم اور دو دسمبر ۱۹۷۸ء کے لئے کرفیو کا حکم جاری کر دیا۔ امام خمینی نے فرانس سے حکم جاری کیا۔ کہ کرفیو کی خلاف ورزی کی جائے لاکھوں ایرانی عوام نے اپنے امام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کرفیو کی خلاف ورزی کی اور سڑکوں پر نکل آئے۔ فوجیوں نے رائفلوں کے منہ کھول دیئے اور سو کے قریب افراد ہلاک ہو گئے۔ جنرل اظہری کی حکومت ڈول رہی تھی تاہم فوج کا خیال تھا کہ لوگ دو دسمبر کو باہر نہ نکلیں گے۔ ایک عام اندازے کے مطابق صرف تہران میں ہی تقریباً چار لاکھ افراد احتجاجی جلوس کی صورت میں کرفیو کی خلاف ورزی کر رہے تھے اصفہان میں بھی ایک بڑا جلوس نکلا۔ امام خمینی کا اعلامیہ پھر ایران میں گونجنے لگا۔

وہ فوجیوں سے مخاطب تھے "تم نے ہمیں ہلاک کیا۔ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں لیکن تمہیں اس حقیقت کو جان لینا چاہیئے کہ ہر روز تم نئے شہیدوں کو جنم دے رہے ہو"

امریکہ میں صورت حال بڑی دلچسپ اور مضحکہ خیز بن گئی تھی۔ ایران کے بارے میں ہر بڑا امریکی افسر ایک دوسرے پر الزام دھر رہا تھا۔ صدر کارٹر نے فرانس کے صدر جسکارد دیستاں سے شکایت کی کہ فرانس میں مقیم امام خمینی ایران میں امن و امان تباہ کر رہا ہے اس کی سرگرمیوں کی روک تھام کی جائے۔

خیال کیا جاتا تھا کہ دسویں محرم کو ایران میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی لیکن فوج نے دانشمندی سے کام لیا اور کرفیو اٹھا لیا گیا تہران میں کم از کم بیس لاکھ افراد نے شاہ ایران کے خلاف جلوس نکالا۔ جلوس پر امن رہا۔ لیکن اصفہان میں عوام نے شاہ ایران کے مجسمے کو نیچے گرا کر توڑ پھوڑ دیا۔ "ساواک" نے گولی چلا دی۔ درجنوں افراد ہلاک ہو گئے۔

اس زمانے میں اردشیر زاہدی ایران کے سفیر مقیم امریکہ اور شاہ کے معتمد کو ایک انوکھی ترکیب سوجھی۔ اس نے شاہ کی حمایت میں ایک جلوس نکلوا دیا۔ اس کے شرکا تہران میں ٹرکوں پر آئے۔ شاہ کے حق میں نعرے لگانے لگے اس جلوس میں سابق فوجیوں۔ آزاد خیال اور خوشحال گھرانوں کی بیگمات نے بکثرت شرکت کی۔ یہ جلوس جو شاہ حمایت میں نکلا تھا کوئی خوشگوار اثر نہ چھوڑ سکا بلکہ اس کا ردِ عمل بڑا مضحکہ خیز تھا۔ خود شاہ کو بھی اردشیر زاہدی کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ اردشیر زاہدی کو محل میں بلا کر کہا "ہم ۱۹۵۳ء کا ڈرامہ اب نہیں کھیل سکتے تب ایرانی بہت غریب اور نادار تھے تم بازار کے کسی بھی آدمی کو دو تومان کے عوض خرید سکتے تھے لیکن آج اسی بازار کے بدبخت سوداگر اور تاجر لاکھوں کے مالک بن چکے ہیں۔

مہدی بازرگان ایران میں ہر روز کی قتل و غارت گری سے بہت پریشان

تھے۔ انھوں نے پیرس جاکر امام خمینی سے ملاقات کی اور ایران کی صورت حال کے بارے میں ان سے تفصیلی گفتگو کی۔ امام خمینی نے کہا "آپکو سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے انقلاب اب ایران میں آنے والا ہے۔ ہم فتحیاب ہوں گے۔ اس وقت اگر آپ نے امن وامان کی باتیں شروع کر دیں تو انقلاب ناکام ہو جائے گا۔ لوگوں کا جوش وجذبہ بلبلے کی طرح اُڑ جائے گا۔ مجھے خدا پر پورا بھروسہ ہے۔"

مہدی بازرگان نے کہا۔ "ہم ہمیشہ آپ کی قیادت میں کام کرتے رہے ہیں اب بھی ہم آپ کے احکام کی تعمیل کریں گے"۔ امام خمینی نے بڑے اعتماد سے کہا ۔"آپ ایسے افراد کی فہرست تیار کر کے مجھے دیجیے جن پہ انقلاب اعتماد کر سکتا ہو اور انقلاب کی کامیابی کے بعد جن کو اہم ذمہ داریاں سونپی جا سکیں"۔ امام خمینی کے اس جملے سے صاف واضح تھا کہ انہیں ایران میں انقلاب کی سو فیصدی کامیابی پر یقین تھا۔ مہدی بازرگان نے ایک فہرست بنائی۔ جب وہ پیرس سے واپس جانے لگے تو امام خمینی نے ان سے کہا وہ جنوبی ایران جاکر تیل کے کارخانوں کے مزدوروں کو ہڑتال کے لئے تیار اور منظم کریں۔ مہدی بازرگان نے اس ہدایت پر پورا عمل کیا۔ یہ ہڑتال اتنی کامیاب رہی کہ امریکیوں اور ایرانی فوج کو گھٹنے ٹیکنے پڑ گئے۔

شاہ ایران مہرے بدل کر اقتدار کو قائم رکھنے کی آخری کوششیں کر رہا تھا ۲۹ دسمبر کو اس نے ایک نئے وزیر اعظم کا تقرر کیا۔ یہ شاہ پور بختیار تھا۔ شاہ نے کریم سجانی اور غلام حسین کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کرنے کی پیش کش کی تھی۔ لیکن ان دونوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ یوں شاہ پور بختیار کو وزیر اعظم بنا دیا گیا شاہ پور بختیار کا خیال تھا کہ مہدی بازرگان اور امریکیوں کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا ہے وہ اسے عملی صورت دینے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جلد ہی اسے اپنی بے بسی کا علم ہو گیا۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے اُسے فوج کو کوئی حکم دینے کا اختیار نہیں تھا۔

نئے سال کا آغاز ہوا۔ ۳ جنوری ۱۹۷۹ء کو امریکی حکومت نے ایک وفد ایران کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا جس کی قیادت یورپ میں امریکی فوجوں کا ڈپٹی کمانڈر کر رہا تھا۔ امریکی سفیر سلیوان سے اس کی ملاقاتیں ہوئیں کوئی نتیجہ نہ نکل سکا کیونکہ ایران کی صورت حال اتنی الجھ چکی تھی کہ کوئی سرا ہاتھ میں نہ آرہا تھا۔ تاہم امریکی وفد کا رکن براہ ایران میں ہاں شاہ پور بختیار کو امریکی "بریفنگ" کر رہے تھے۔ شاہ پور بختیار نے اعلان کیا کہ جلد ہی شاہ ایران ملک سے چلا جائے گا۔ انتخابات بھی جلدی کرائے جائیں گے اس نے یہ بھی ارادہ ظاہر کیا کہ ایرانی تیل کی اسرائیل اور جنوبی افریقہ کو سپلائی روک دی جائے گی۔ ادھر امریکی صدر کارٹر نے فرانس کے صدر کے ذریعہ امام خمینی تک یہ پیغام پہنچایا کہ وہ شاہ پور بختیار کو بطور وزیر اعظم ایران قبول کرتے ہوئے اس کی حمایت کا اعلان کریں ورنہ ملک میں خونی انقلاب آجائے گا۔ امام خمینی نے اس پیغام کا جواب دیا۔ "ہم شاہ پور بختیار کی تقرری کو غیر قانونی قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا تقرر شاہ ایران نے کیا ہے۔ فوجی انقلاب کی دھمکی ہم پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ جنرل اظہری کی حکومت بھی فوجی حکومت ہے۔ شاہ پور بختیار کی حکومت کے پردے میں بھی فوج ہی حکمرانی کر رہی ہے۔ شاہ پور بختیار فوج کا آلہ کار ہے۔"

شاہ ایران کو جب علم ہوا کہ امریکی وفد ایران میں موجود ہے لیکن اس کے سربراہ نے اس سے ملاقات نہیں کی تو وہ مشتعل ہو گیا۔ امریکی سفیر کے ساتھ امریکی کمانڈر نے شاہ سے ملاقات کی اور شاہ سے پوچھا آپ ایران سے کب جا رہے ہیں؟ کیا تاریخ طے کر لی گئی ہے؟

۶ جنوری کو شاہ کی طرف سے یہ اطلاع شائع ہوئی کہ وہ طویل عرصے کے لئے سیر تفریح اور صحت کی بحالی کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں ریجنسی کونسل حکومت کے امور کو چلائے گی۔ شاہ پور بختیار کی خواہش تھی کہ شاہ جتنی جلدی

ممکن ہو ایران سے چلا جائے تاکہ وہ اپنے انداز سے معاملات کو طے کر سکے۔ ادھر شاہ کا اصرار تھا کہ وہ ملک سے تو چلا جائے گا لیکن وہ ایرانی فوج کا کمانڈر انچیف خود ہی رہے گا۔ شاہ کسی صورت میں بھی فوج پر اپنا کنٹرول کھونے کے لئے تیار نہ تھا ادھر شاہ کو یہ بھی احساس کھائے چلا جا رہا تھا کہ امریکہ اس سے غداری کر رہا ہے۔

۹ جنوری کو شاہ نے اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں کو حکم دیا کہ وہ اپنی ذاتی تمام املاک اور دولت کو پہلوی فاؤنڈیشن میں منتقل کر دیں۔ اس سے پہلے شاہی خاندان کے افراد بہت کچھ اور ایران کے سرمایہ دار بھی اپنی زر دولت دوسرے ملکوں میں بھجوا رہے تھے۔ انھوں نے یہ کمال بھی کر دکھایا کہ اپنا مال و زر تو باہر بھجوا دیا اور خود ایرانی بینکوں سے خطیر رقم کے قرضے لینے لگے۔ جب بینک نے بعد میں اپنے ان قرضوں کی واپسی کا تقاضا کیا تو کسی نے بھی ادائگی نہ کی۔

بینک ادمران جو پہلوی فاؤنڈیشن کی ملکیت تھا، ۱۹۷۷ء میں اس کے اثاثے ایک بلین ڈالر سے بھی زیادہ تھے۔ ایک عرصہ تک یہ بینک شاہی خاندان کے ذاتی بینکار کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ آخری دنوں میں شاہ ایران اور اس کے عزیزوں نے اس بینک سے ستر کروڑ ڈالر کی خطیر رقم نکلوائی اور اس کے ساتھ ہی شاہ اور اس کے خانوادے کے افراد نے اسی کروڑ ڈالر کی رقم کم مدت کے قرض کے طور پر نکلوائی لیکن یہ قرضہ کبھی واپس نہ ہوا اور انقلاب ایران کے بعد اس بینک کو دیوالیہ قرار دینا پڑا۔

شاہ ایران کو ایران میں اپنی زندگی کے آخری ایام میں جس حادثے سے دو چار ہونا پڑا وہ بڑا ہی عبرتناک ہے۔ اس سچے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کتنا ہی صاحب اختیار کیوں نہ ہو وہ بے بس اور مجبور ہوتا ہے۔ شاہ ایران ۱۶ جنوری کو ایران سے جانا چاہتا تھا۔ اسکو ایران چھوڑنے میں جو تاخیر ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانے سے پہلے اپنے ساتھ جلا وطنی میں ہیرے جواہرات سے مرصع وہ تلوار بھی لے جانا چاہتا تھا جو اس نے

اپنی تاج پوشی کی رسم کے موقع پر پہنا تھا۔ یہ تاج اور دوسرے تاج ایران کے بنک ملی میں محفوظ تھے لیکن بنک ملازمین نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ شاہ نے اپنے خاص شاہی دستے لازوال کو حکم دیا کہ وہ بنک کے افسروں کو تلاش کر کے ان کو مجبور کریں کہ وہ سیف کھول کر تاج شاہ کی خدمت میں پیش کریں۔

چھ دنوں تک مسلسل شاہی گارڈ آرمرڈ کاروں میں سوار بنک ملی جاتی رہی لیکن ہر بار شاہی گارڈز کو خالی ہاتھ واپس آنا پڑا۔ وہاں ہڑتال اور احتجاجی ہجوم موجود رہتا تھا۔ شاہ کا یہ خزانہ بیس میٹر کی گہرائی میں زیر زمین محفوظ کیا گیا تھا اور وہ افسر جو اس تہہ خانے کے دروازے کے خفیہ نمبر جانتے تھے وہ غائب ہو چکے تھے۔ شاہ نے ہر کوشش کر کے دیکھ لی وہ تاج اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک عام اندازے کے مطابق ان ہیرے جواہرات کی قیمت ۲۵.۰ سے ۰.۵ بلین ڈالر تک تھی۔ یہ قیمتی خزانہ بنک کے تہہ خانے میں پڑا رہا۔ اور شاہ اپنے تمام تر اختیارات کے باوجود اسے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

شاہ پور بختیار کی حکومت کو مجلس ایرانی نے تسلیم کر لیا۔ مجلس کونسل کا سربراہ ایک معمر سیاستدان جلال الدین تہرانی مقرر کیا گیا۔ کریم سنجابی اور بازرگان کو بر کینٹ کے لئے دعوت دی گئی جو انہوں نے ٹھکرا دی۔ شاہ پور بختیار کو یہ زعم تھا کہ وہ اب مضبوط پوزیشن میں ہے۔ اس کا یہ خیال تھا۔ اصل طاقت کے مالک امام خمینی تھے۔ امام خمینی نے شاہ پور بختیار کی حکومت کی مذمت اور مخالفت کی اور کہا کہ جو بھی شاہ پور بختیار کی حکومت کی اطاعت کرے گا وہ شیطان کی اطاعت کرے گا۔ امام خمینی نے اعلان کیا کہ وہ انقلابی کونسل قائم کر رہے ہیں۔ شاہ پور بختیار کی اپنی کابینہ کے وزیر اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ اس کے اپنے قبیلہ نے بھی امام خمینی کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

شاہ ایران نے پوری کوشش کی کہ ایران سے اس کی رخصتی کو لوگ یہی تصور کریں۔ کہ سیر و تفریح اور علاج و معالجہ کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے۔ اسکی منزل امریکہ تھی

راستے میں وہ کئی مقامات پر ٹھہرنا چاہتا تھا۔ لیکن اردن کے شاہ حسین نے جو پہلے شاہ کے میزبان بننے کے لئے تیار تھے۔ کچھ سوچ کر بڑی نرمی سے معذرت کر لی کہ وہ شاہ کی اردن میں میزبانی نہ کر سکیں گے۔ تاہم مراکش کے شاہ حسن اور مصر کے انور السادات کی دعوت برقرار تھی۔

ایران سے شاہ سیدھا اسوان (مصر) پہنچا۔ جہاں اعلیٰ مصری حکام نے اس کا استقبال کیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اب بھی وہ ایران کا بادشاہ ہے۔ کچھ لوگوں کو ورغلا کر شاہ کے حق میں نعرے بھی لگوائے گئے۔ شاہِ ایران ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ وہ سراپا شکوہ بنا ہوا تھا۔ اپنے مشیروں کو کوس رہا تھا۔ وہ امریکیوں کی شکایت کر رہا تھا اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ارد گرد سارے لوگ منافق تھے۔ وہ اپنی ملکہ کو بھی سازشی قرار دے رہا تھا۔ اب اس کی امیدیں ایران میں فوج کے جنرل چراباتی اور رائل گارڈ کے ساتھ منسلک تھیں۔ شاہ کا خیال تھا کہ امام خمینی ایران آئے تو اس کی وفادار فوج اس سے نمٹ لے گی۔ اور انقلاب کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی۔ اور آنے والے وقت نے بتایا کہ اس بار بھی شاہ کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔

اسوان میں شاہِ ایران یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اب بھی وہ ایران کا تاجدار ہے اس نے صدر سادات اور امریکہ کے سابق صدر فورڈ کے ساتھ خصوصی مذاکرات کئے جس میں اُس نے امریکیوں پر الزام لگایا کہ صدر کارٹر ایک طرف اس کی حمایت کا ڈھنڈورا پیٹ رہا تھا اور دوسری طرف اس کے مخالفوں سے سمجھوتہ کر رہا تھا شاہ کو گلہ تھا کہ جو سمجھوتہ ہوا وہ امریکیوں کے بجائے خود اُسے کرنے کا موقع ملنا چاہیئے تھا اس گفتگو میں شاہ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ مراکش کے شاہ حسن نے اسے مدد کی پیشکش کی تھی۔ مراکش اس کی حمایت کے لئے مراکشی فوج کو ایران بھیجنے کے لئے تیار ہے شاہ نے گلہ کیا تو امریکہ جو اس کا حلیف تھا اس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ سابق امریکی صدر

فورڈ نے طنزاً کہا۔ ایران کی اپنی فوج ہی کیا کم ہے کہ شاہ کو مراکش کی فوج کی ضرورت پڑ گئی؟

شاہ کے جانے کے بعد امام خمینی نے ایرانی عوام کے نام پیغام بھیجا "شاہ سے نجات پہلا قدم ہے۔ یہ ہماری مکمل فتح نہیں ہے۔ آزادی کی تکمیل کا پہلا باب ہے۔"

امام خمینی نے فوج سے اپیل کی کہ وہ امریکی بالادستی کو تباہ کردیں۔ عوام سے کہا کہ وہ ہڑتالیں اور جلوس کا سلسلہ جاری رکھیں صدر کارٹر نے امام خمینی سے اپیل کی تھی کہ وہ شاہ پور بختیار سے تعاون کریں۔ اس کا جواب امام خمینی نے یہ دیا کہ ہمارے معاملات میں صدر کارٹر بولنے کا کیا حق رکھتا ہے۔

شاہ پور بختیار بے یقینی کے عالم میں تھا۔ فوج کو براہِ راست احکام امریکی دے رہے تھے لیکن شاہ پور بختیار بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔ صدر کارٹر اور شاہ پور بختیار کی طرف سے ایک مشترکہ پیغام فرانسیسی رابطہ سے امام خمینی تک پہنچایا گیا جس میں امام خمینی کو خبردار کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایران آئے تو خون خرابہ ہوگا۔ اور فوج اقتدار سنبھال لے گی۔

شاہ پور بختیار نے ایک علیحدہ پیغام میں امام خمینی سے تین ماہ کی مہلت طلب کی کہ وہ تین ماہ تک ایران نہ آئیں۔ اس عرصے میں وہ ایران میں امن و امان قائم کرے گا اور وہ سب کچھ کرے گا جو خود امام خمینی چاہتے ہیں لیکن امام خمینی نے یہ مہلت دینے سے انکار کردیا۔ شاہ پور بختیار نے اس کے بعد پھر تین ہفتوں کی مہلت مانگی لیکن امام خمینی کا ایک ہی جواب تھا "نہیں"۔ امام خمینی جانتے تھے اگر اب وہ ایران نہ پہنچے تو انقلاب کے ثمرات سے محروم رہ جائیں گے۔

شاہِ ایران اسوان میں پانچ روز ٹھہرا اور مراکش چلا گیا۔ خیال تھا کہ چار پانچ روز کے قیام کے بعد شاہ امریکہ کا رُخ کرے گا۔ لیکن شاہ کو اردشیر زاہدی کا فون آیا کہ امریکی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر وہ شاہ کو امریکہ میں
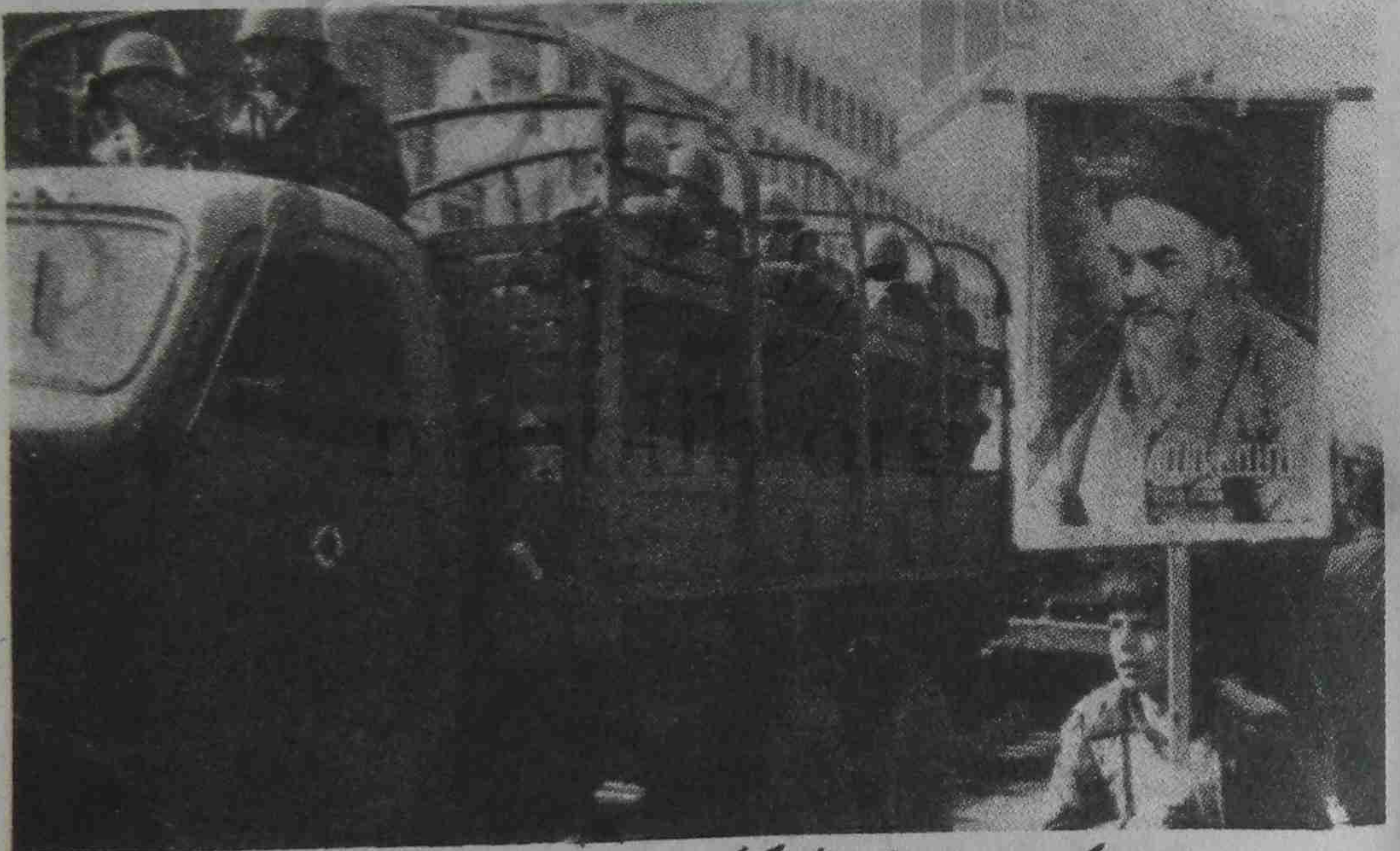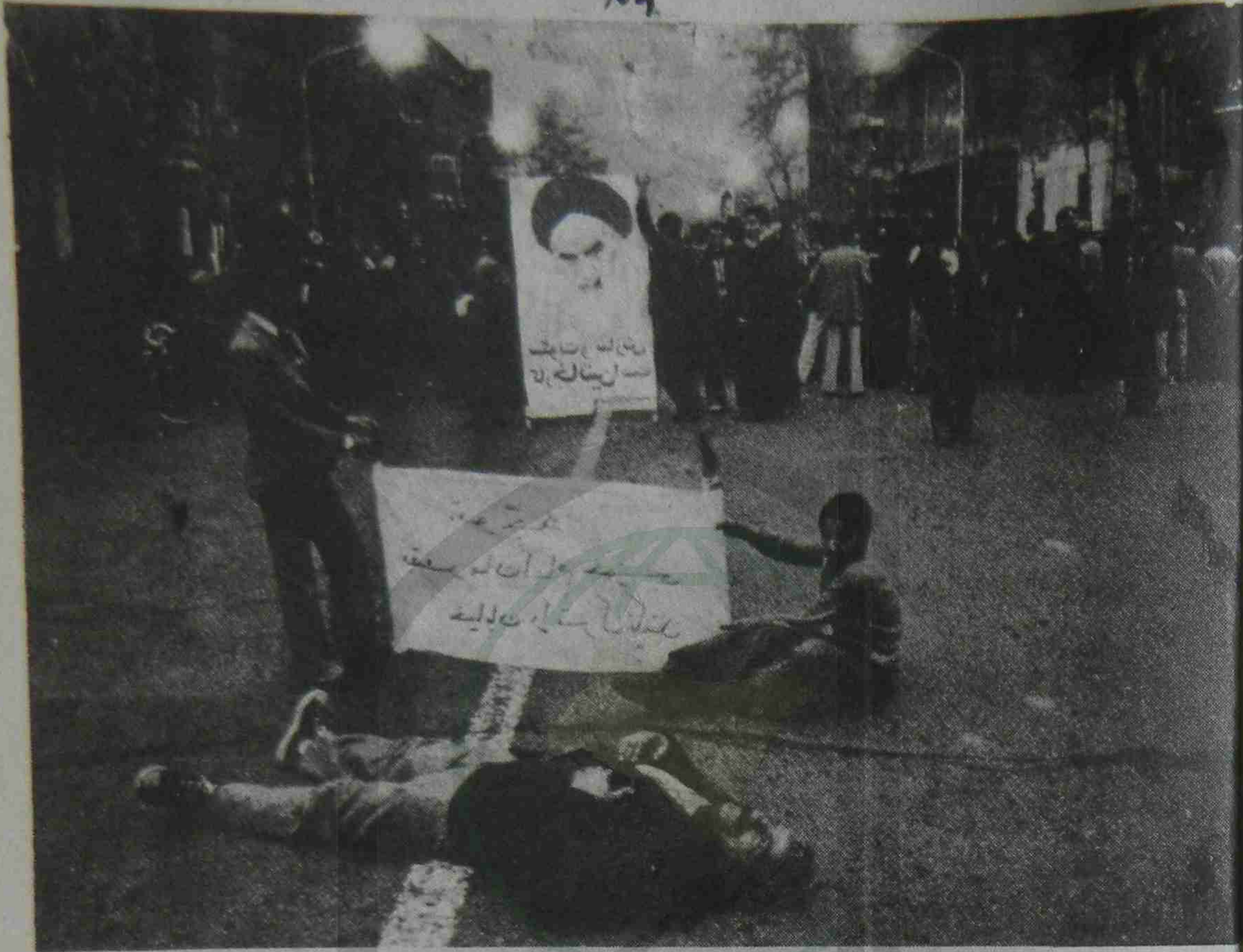
ایمان کی قوت کے آگے موت بھی فنا ہے۔

اپنا مہمان نہیں بنا سکتی اس پیغام سے شاہ کو بڑی مایوسی ہوئی۔ مراکش میں طالبعلموں نے شاہ کے خلاف جلوس نکالنے شروع کر دیئے۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ شاہ کو مراکش سے نکالا جائے۔ شاہ حسن کے لئے مسائل پیدا ہو گئے۔ کوئی اسلامی ملک شاہ کو اپنا مہمان بنانے کے لئے تیار نہ تھا۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے پوری اسلامی دنیا کو متاثر کیا تھا۔ شاہ نے مراکش کے شاہ حسن سے کہا کہ وہ مزید کچھ عرصے مراکو میں ٹھہرنا چاہتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کی وفادار فوج اور شاہی گارڈز جلد ہی صورت حال پر قابو پالیں گے اور اسے جلد ہی ایران واپس جانا پڑے گا۔ شاہ نے یہ بہانہ بھی پیش کیا کہ وہ امریکہ اس لئے نہیں جانا چاہتا کہ جب وہ امریکہ سے ایران واپس گیا تو لوگ کہیں گے کہ امریکہ نے ہی اس کو اقتدار واپس دلایا ہے۔

چند دنوں کے بعد شاہ حسن کا ایک ایلچی شاہ ایران سے ملا اور کہا کہ حالات یکسر بدل گئے ہیں اور شاہ کے تادیر قیام سے ملک پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔ امریکہ میں شاہ کے حامی ہنری کسنجر اور راک فیلر نے شاہ کے قیام کے لئے میکسیکو کی حکومت سے رابطہ قائم کیا لیکن شاہ کے میکسکو جانے میں بھی ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ ایران میں شاہ پور بختیار کی حکومت نے شاہ کے پاسپورٹ کو منسوخ کر دیا میکسکو کی حکومت ضابطے کے تحت بغیر پاسپورٹ کے کسی کو بھی اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے سکتی تھی خواہ وہ ایران کا سابق شاہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایران کا مطلق العنان بادشاہ پاسپورٹ تک سے محروم تھا!

لیکن دن جنیوا میں اقوام متحدہ کے پناہ گزینوں کے ہائی کمشنر پرنس صدرالدین آغا خان کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ان کی سیکرٹری نے انھیں بتایا کہ دور دراز سے کال آئی ہے اور فون کرنے والی اپنے آپ کو ملکہ فرح بتا رہی ہے پرنس صدرالدین نے فون اٹھایا اور ملکہ فرح کی آواز پہچان لی۔ ایران کی سابق ملکہ کہہ رہی تھی "میں آپ کو زحمت دے

اسلامی انقلاب ایران کے مجاہدوں کی ایک جھلک

ایک عالم دین شاہ کے فوجیوں سے نبرد آزما ہیں۔

شاہ ایران سے دفع ہو گیا۔ جب عوام کو معلوم ہوا تو مارے خوشی کے گھروں سے باہر نکل آئے۔

رہی ہوں۔ ہمیں اپنے پاسپورٹوں کے سلسلے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے میکسیکو افسرشاہی کا حکم ہے کہ ہمیں پاسپورٹ پیش کرنے چاہئیں کاغذ کا ایک حقیر ٹکڑا جس پر مہر لگی ہو۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں، ملکہ فرح نے بتایا کہ شہزادی اشرف نے نیویارک میں یو این او کے سیکریٹری جنرل کرٹ والڈ ہائم سے رابطہ قائم کر رکھا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ آپ کے لئے یہ ممکن ہے کہ آپ پناہ گزینوں کے ادارے کی جانب سے پاسپورٹ جاری کر سکتے ہیں پرنس صدرالدین نے حامی بھر لی۔ بدبختی اور بے بسی کا چکر مکمل ہو گیا ایران کی سابق ملکہ نے اپنے اور اپنے شوہر کے لئے پاسپورٹ کی استدعا کر رہی تھی۔

ایران میں امریکی جرنیل اور مشیر اور ایرانی فوج کے جرنیلوں کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ یہ سب شاہ پور بختیار کی حکومت کے حامی تھے لیکن عوام اعانت کے لئے تیار نہ تھے ادھر امام خمینی کے لئے فرانس سے ایران آنے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام نہ ہو رہا تھا لیکن ایک متمول شیعہ ایرانی تاجر نے یہ مسئلہ حل کر دیا اس نے تیس لاکھ ڈالر یعنی تینس کروڑ روپے کی رقم ایئر فرانس کے پاس بطور ضمانت جمع کرا دی اسمیں جہاز اور جہاز کے عملہ کا انشورنس اور کرایہ شامل تھا جہاز کا عملہ مزدوروں پر مشتمل تھا۔

۲۶ سے ۲۸ جنوری تک تہران اور تبریز میں فوج اور عوام کے درمیان شدید تصادم ہوا سینکڑوں لوگ مارے گئے۔ امام خمینی کی آمد آمد تھی۔ فوج کے کئی دستوں نے بغاوت کر دی اور عوام کے ساتھ مل گئے جب شاہی گارڈ کے دستے امن وامان کی بحالی کے لئے سڑکوں پر آئے تو لوگوں نے پھولوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ وہ اگر گولی چلائیں گے تو شہیدوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا شاہی گارڈ کو گولی چلانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

امام خمینی یکم فروری کو رات کے وقت ایئر فرانس کے جیٹ پر سوار ہوئے۔ وہ سیدھے جہاز کے ایگزیکٹو کلاس کی طرف چلے گئے جہاں انھوں نے وضو کے بعد نماز پڑھی۔ کچھ

امام خمینی کی پیرس سے واپسی پر...... عوام کا جوش و خروش
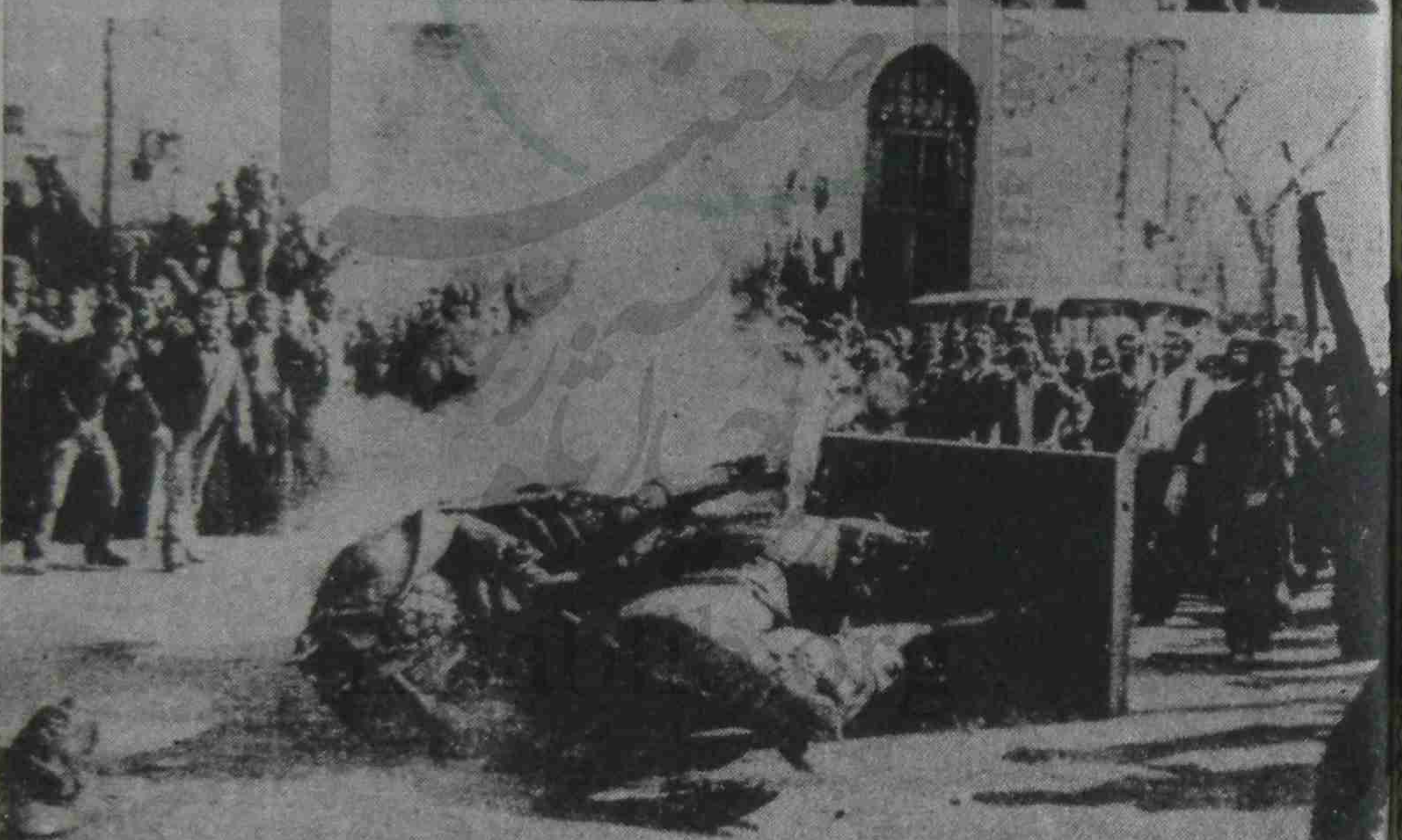
تہران میں شاہ ایران کا یادگاری مجسمہ عوام نے مسمار کر دیا۔

ذہی کھایا۔ اپنے کمبل کو جہاز کے فرش پر بچھایا اور سو گئے جہاز کے دوسرے حصہ میں ان کے ساتھیوں کے علاوہ صحافیوں کی ایک بڑی تعداد بھی سفر کر رہی تھی انہوں نے اپنی شریک حیات اور اپنے ساتھیوں کی بیگمات کو ساتھ لانے کی ممانعت کر دی تھی جہاز میں سوار ایک سو کے لگ بھگ افراد میں کچھ خوفزدہ بھی تھے ان کے دلوں میں بار بار یہ خوف پیدا ہو رہا تھا کہ جب وہ تہران پہنچیں گے تو کیا فوج ان پر حملہ کر دے گی۔

پانچ بجے تک امام خمینی سوئے رہے بیدار ہونے کے بعد وضو کیا۔ فجر کی نماز پڑھی جہاز تہران کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہ وہی جوان کے ساتھ جلاوطنی کی زندگی گزار کر واپس آ رہے تھے امام خمینی کو جہاز کی کھڑکی سے دکھایا کہ لوگوں کا ہجوم نیچے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو رہا ہے ۔ امام خمینی نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہ تہران چودہ سال کی جلاوطنی کے بعد واپس آ رہے تھے۔

تہران میں جس انداز سے امام خمینی کا استقبال ہوا اس کی مثال جدید دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ لوگ لاکھوں کی تعداد میں استقبال کے لئے جمع تھے۔ نعرے لگ رہے تھے۔ ادھر ایران کی حکومت اور فوج نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ لاکھوں انسانوں کے ہجوم میں وہ امام خمینی کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی۔ لیکن تہران کی مقامی انقلابی کمیٹی کے ارکان نے اپنے طور پر حفاظت کا پورا انتظام کر رکھا تھا جہاں تک نظر جاتی تھی گلیاں۔ بازار، کوچے چھتیں ہر جگہ انسان ہی انسان دکھائی دے رہے تھے انقلاب کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ شاہ پور بختیار نے اگرچہ وزارت عظمٰی سے استعفیٰ نہ دیا لیکن اس کی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ فوجی یونٹ بھی امام خمینی کے استقبال کے لئے عوام میں گھل مل گئے تھے۔ اب امریکہ کے وفد کے سربراہ ڈپٹی کمانڈر کے لئے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ فوراً ایران سے نکل بھاگے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

شاہ پور بختیار نے آخری حربہ اختیار کیا کہ تہران میں کرفیو نافذ کر دیا تھا جب امام

فرانس سے امام خمینی کی واپسی ایران

اس جہاز کی قیمت اور عملہ کی انشورنس مبلغ تیس[۳۰] لاکھ ڈالر یعنی
تین کروڑ روپیہ پاکستانی ایک ایرانی تاجر نے فوراً ایر فرانس
کو نقد جمع کرا کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

خمینی کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے کاغذ کے ایک پرزے پہ لکھا ۔" خدا کے فضل پہ بھروسہ کر کے کرفیو توڑ دو " پھر امام خمینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ کاغذ کا پرزہ تہران ٹیلیویژن اسٹیشن پہنچا اور اسے ٹیلی ویژن پہ دکھایا گیا۔ لوگوں نے کرفیو کی کھلی خلاف ورزی کرکے شاہ پور بختیار کے حکم کی دھجیاں اڑا دیں۔

امام خمینی کی واپسی نے انقلاب کی تکمیل کردی اور پھر ایران کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ شاہ جلاوطنی کے عالم میں مصر میں مرگیا۔ انقلابی حکومت نے ایران میں انقلاب کا عمل تیز تر کردیا۔

(بحوالہ ماہنامہ حکایت اپریل۔ مئی ، شکریہ کے ساتھ)

انقلاب ایران کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیشگوئی

" ایک شخص قم سے اٹھے گا اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیگا لوگ اس شخص کے گرد جمع ہوجائیں گے ۔ وہ لوگ مضبوطی میں لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے کہ سخت آندھیاں اور طوفان بھی اُن کے پاؤں اکھاڑ نہیں سکیں گے ۔ وہ لوگ جنگ سے نہیں تھکیں گے اور ہرگز نہیں تھکیں گے ۔ اُن لوگوں کا خدا پر توکل ہوگا ۔ اور آخر کار پرہیز گار لوگوں کو فتح ہوگی "

(بحوالہ ندائے اسلام شمارہ ۵ ، ستمبر ۱۹۸۰ء)

انقلابِ ایران کی کہانی تاریخ کی زبانی

۱۹۷۸ء ایران میں انقلاب کے دوران پیش آنے والے خونی واقعات

(۲۱؍اکتوبر) ایران پیٹرولیم کے کارکنان کی ہڑتال کی وجہ سے آبادان آئل ریفائنری کو بند کردینا پڑا۔

(۲۲؍اکتوبر) محکمۂ ڈاک تار کے کارکنان کی ہڑتال کی وجہ سے بہت سے کام ٹھپ ہو کر رہ گئے

(۲۲؍اکتوبر) پیٹرول کی کمی کے باعث تیل سے مالا مال ملک ایران کے پایۂ تخت تہران کا سارا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔

(۲۲؍اکتوبر) دینی مدرسہ حوزۂ علمیہ قم کے اساتذہ نے آیت اللہ طالقانی اور آیۃ اللہ منتظری کی قید سے رہائی کا مطالبہ کیا۔

(۲۳؍اکتوبر) شہر ہمدان کے خونیں مظاہرے میں سات افراد ہلاک ہو گئے۔

(۲۳؍اکتوبر) حکومت نے یونیورسٹی سے سیاسی آزادی پہ سے پابندی ہٹالی۔

(۲۴؍اکتوبر) تہران کے چالیس ہزار اسکولوں کے طالب علموں نے یونیورسٹی طلبہ کے ہمراہ مظاہرے میں شرکت کے بعد تہران یونیورسٹی کے صحن میں نماز ظہر ادا کی۔

(۲۴؍اکتوبر) عوام کے شدید دباؤ کی وجہ سے حکومت کو ایک ہزار سے زیادہ سیاسی قیدیوں کو آزاد کردینا پڑا۔

(۲۵؍اکتوبر) شہر خرم کے چیف پولیس اور ایک فوجی کمانڈر کو ہلاک کردیا گیا۔

(۲۶؍اکتوبر) امام نے کسی بھی قسم کے سازباز کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور اس خبر کو روزنامہ اطلاعات نے اسی روز دوپہر کے دو بجے اپنے ایک خاص ضمیمہ کے ذریعہ لاکھوں کی تعداد میں نشر کیا۔

(۲۶؍اکتوبر) زنجان میں امام کی حمایت اور طرفداری میں طلباء نے جلوس نکالے

اور سرکاری اداروں اور دفاتر میں آگ لگا دی گئی۔
(۲۸ اکتوبر) پچھلے ۲۴ گھنٹوں میں مختلف شہروں میں شاہ کے خلاف مظاہروں میں
شہید ہونے والوں کی تعداد کو خود سرکاری حکام نے اعلان کیا ہے۔
(۲۸ اکتوبر) قزل حصار کے قید خانے میں ۴ ہزار قیدیوں نے بھوک ہڑتال کی۔
(۲۹ اکتوبر) قومی یکجہتی کے ہفتہ کو منانے کی خاطر تمام مدارس اور یونیورسٹیوں
کی چھٹی کی گئی۔
(۲۹ اکتوبر) اس دن پورا تہران مظاہروں میں ڈوبا ہوا تھا۔
(۳۰ اکتوبر) ایران کے قومی محاذ کے لیڈر ڈاکٹر کریم سنجابی نے امام سے پیرس میں
ملاقات کی۔
(۳۰ اکتوبر) امام نے ایک چھ نکاتی پیغام کے ذریعہ ایرانی قوم سے تقاضا کیا کہ وہ
ظلم کے پوری طرح مٹنے اور استحصال کے کامل طور پر محو ہونے تک اپنی جدوجہد
سے ہاتھ نہ کھینچیں۔
(۳۰ اکتوبر) آیت اللہ طالقانی اور آیت اللہ منتظری قید سے آزاد ہو گئے۔
(۳۱ اکتوبر) شاہ کی فرمائشی مجلس کا ایک رکن سالار جاف کے مسلح نوکروں نے دربار کی
طرفداری میں شہر پاوہ کے اٹھارہ آدمیوں کو شہید اور بہتوں کو زخمی کر دیا۔
(یکم نومبر) جنوبی ایران میں حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کی سرکوبی کے
لئے فوج نے تیل کی تنصیبات کو اپنے قبضے میں لے لیا فوج کے اس اقدام پر
تمام ملک میں لوگوں نے شدید طور پر اعتراض کیا۔
(یکم نومبر) آیت اللہ طالقانی کی قید سے رہائی کے موقعہ پر تقریباً دو لاکھ افراد نے پھول
نچھاور کئے اور انکا خیر مقدم کیا۔
(۲ نومبر) شہر بابل آگ کے شعلوں میں ۲۴ گھنٹے جلتا رہا۔

(۲۹ نومبر) ایران ایئر کے کارکنوں اور پائلٹوں نے ہڑتال کی۔

(۳ نومبر) حکومتِ شاہ نے یونیورسٹی کے سامنے مظاہروں میں شریک لوگوں پر گولی چلاکر اپنے خلاف ایک نئے غم وغصہ کی آگ بھڑکائی۔

(۴ نومبر) تہران کی سڑکوں پر لوگوں اور فوج کی جھڑپیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔

(۴ نومبر) فوج اور لوگوں کے درمیان جھڑپوں کے نتیجہ میں تہران آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ آتش سوزی کی اس واردات میں ساواک کا بڑا ہاتھ تھا۔

۵ نومبر شریف امامی کی جگہ امریکہ کا ایک دوسرا پٹھو جنرل ازہری ایران کا وزیر اعظم منتخب ہوا اور اس نے اپنی فوجی کابینہ تشکیل کی۔

(۶ نومبر) مطبوعات کے دفاتر میں مارشل لا افسران کی موجودگی کے خلاف اعتراض کرتے ہوئے تمام مطبوعاتی اداروں نے ایک عظیم الشان ہڑتال کا آغاز کیا۔

(۶ جنوری) امام کے حکم پر مطبوعات کی ہڑتال ختم کی گئی۔

امریکہ اور شاہ کی شاطرانہ چال کے تحت شاہ پور بختیار ایران کا نخست وزیر (وزیر اعظم بنا)۔

ایران کے قومی محاذ سے شاہ پور بختیار کی عضویت ختم کردی گئی۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور ہیلی کاپٹر کے حملہ میں شہر مشہد میں ۵۰۰ سو آدمی ہلاک اور ہزار سے زیادہ زخمی۔ اور معذور ہوگئے۔

(۸ جنوری) شہر قم میں شاہ کے خلاف قیام کا سال روز منانے کے لئے امام کی طرف سے اس دن کو قومی عزا کا دن قرار دیا گیا اور پورے ایران میں مظاہرے ہوئے۔

شاہ کی مارشل لاء حکومت کا سربراہ جنرل ازہری ایران چھوڑ کر بھاگ گیا۔

(۱۳ جنوری) ایک لاکھ لوگوں کی موجودگی میں تہران کی یونیورسٹی کو قومی محاذ جنگ کا نام دے کر دوبارہ کھولا گیا۔

امام خمینی نے انقلاب اسلامی کی پہلی کونسل کے تشکیل ہونے کا اعلان کیا

انقلاب اسلامی کی پہلی کونسل کے وظائف حسب ذیل متعین ہوئے۔

۱۔ پارلیمنٹ کی تشکیل اور ۲۔ انتخابات کا انتظام۔

(۱۴، جنوری) امام نے ایک اعلامیہ کے تحت ایرانی قوم کو متنبہ کیا کہ شاہ کے ایران سے نکل جانے کی صورت میں کسی بھی غلط منصوبہ یا سازش کو کامیاب نہ ہونے دے۔

(۱۶، جنوری) شاہ ایران سے چلا گیا اور شہروں میں نصب شدہ مجسموں کو گرادیا گیا

روزنامہ اطلاعات نے لکھا، ایران، گل نور اور خوشی میں ڈوب گیا۔

عوام کو خطاب کرتے ہوئے امام خمینی نے مندرجہ ذیل احکام صادر فرمائے

۱۔ دونوں مجلسوں کے اراکین اور سلطنتی کونسل کے اعضاء کا اخراج

۲۔ کسان زیادہ کاشت کریں اور گندم ملک سے خارج نہ ہونے دیں۔

۳۔ فوج کو امریکی اسلحہ کے خروج پر نظر رکھنی چاہیئے۔

۴۔ اسلامی بینک کسانوں کی مدد کریں۔

ایران سے شاہ کی فراری کی خبر سنتے ہی امام خمینی نے فرمایا: اللہ اکبر.....

(۱۷، جنوری) اس حالت میں جبکہ شہر اہواز میں لوگ شاہ ایران کے بھاگنے کی وجہ سے خوشی منارہے تھے۔ فوجیوں نے اچانک ان پر حملہ کردیا۔ اور اس حملہ میں سنتو آدمیوں سے زیادہ مارے گئے۔

(۱۸، جنوری) امام خمینی نے فرمایا، شاہ کا بھاگ جانا ایرانی قوم کی کامیابی اور خوشبختی کی نشانی اور آزادی اور استقلال کی راہ کا پہلا قدم ہے۔

(۱۹، جنوری)، امام حسینؑ کے چہلم کے مراسم کے موقعہ پر لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے جلوس نکالا اور حکومت اسلامی کی تائید میں اپنی رائے و اعتماد کا اظہار کیا۔

چہلم کے جلوس کے قطعنامہ کے ضمن میں حسب ذیل اعلان کیا گیا :-

۱۔ خلع شاہ اور اسکی حکومت کو غیر قانونی اعلام کرتے ہیں۔

۲۔ شاہی نظام کو رد کرتے ہوئے حکومت اسلامی جمہوریہ کی برقراری چاہتے ہیں

۳۔ امام خمینی کی قیادت میں انقلابی کونسل کی تشکیل کی تائید کرتے ہیں۔

(۲۰ جنوری) پورے ایران میں لاکھوں اور کروڑوں کی تائید میں لوگوں نے مظاہروں میں شرکت کرتے ہوئے امام خمینی کی وطن میں واپسی کا مطالبہ کیا۔

(۲۱ جنوری) شہر ہمدان اور وزفول کی فضائیہ کے پائلٹوں نے اپنے افسران کے غیر انسانی احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں مذکورہ شہروں کے فضائیہ کے اڈوں کا محاصرہ کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ پائلٹوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔

(۲۱ جنوری) بختیار نے اعلان کیا کہ قانون اساسی کو محفوظ رکھنے کا پکا ارادہ کیا ہوا ہے

(۲۱ جنوری) امام خمینی نے فرمایا : میں بہت جلد آپ عزیزوں سے آملوں گا تاکہ آپ کے ہمقدم اور ہم آواز ہو کر مشکلات کو حل کرنے کی راہ نکالی جاسکے۔

(۲۲ جنوری) ایرانی قوم امام خمینی کے عظیم استقبال کے لئے لمحہ گن کر گزار رہی ہے ہزاروں کی تعداد میں مرد، عورت اور بچے دور اور نزدیک کے شہروں سے استقبال میں شرکت کے لئے تہران پہنچ گئے۔

(۲۳ جنوری) امام کی احتمالی آمد کے پیش نظر ائیر لائن کے ملازمین نے وقتی طور پر اپنی ہڑتال ختم کر دی۔

(۲۳ جنوری) فوجی بغاوت کی افواہ زور پکڑ چکی ہے۔

(۲۳ جنوری) سلطنتی کونسل کے صدر سید جلال تہرانی نے امام کی خدمت میں اپنا استعفی پیش کر دیا۔

(۲۳ جنوری) امام کے استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی۔

(۲۳ جنوری) آیت اللہ طالقانی نے احتمالی فوجی بغاوت کا مقابلہ کرنے کا دستور دیا۔

(۲۴ جنوری) پرواز انقلاب (وہ پرواز جو امام کو پیرس سے ایران لانے والی تھی) رد کرنے کے لئے تہران ایئرپورٹ پر فوج نے قبضہ کر لیا۔

(۲۴ جنوری) ایئرپورٹ پر قبضہ ہونے پر لوگوں نے شدید اعتراض کیا اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا لوگوں کا سمندر مہر آباد (تہران) ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

۲۴ جنوری، پیرس میں اسلامی حکومت کے طرفدار طلبا نے ایرانی کونسلیٹ پر قبضہ کر لیا

۲۴ جنوری، فضائیہ کے افسروں اور پائلٹوں کے ایک گروہ نے امام خمینی کی حمایت میں لوگوں کے ساتھ یگانگت دکھاتے ہوئے تہران میں مظاہرہ کیا۔

(۲۶ جنوری) تہران ایئرپورٹ کے بند ہونیکی وجہ سے امام کی وطن واپسی میں تاخیر ہو گئی۔

(۲۷ جنوری) ۲۸ صفر المظفر رسول اکرم (ص) کے روز وفات کے موقعہ پر تہران اور ایران کے دوسرے شہروں میں بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ ان مظاہروں میں بختیار کی حکومت کو غیر قانونی اعلان کیا گیا اور لوگوں نے یہ نعرے لگائے کہ اگر خمینی کے آنے میں دیر ہوئی تو ہمارے ہاتھوں میں مشین گنیں ہونگی، بختیار نے ان مظاہروں کے بارے میں خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: یہ کچھ بیکار لوگ ہیں جو تفریح کے طور پر مظاہرے کر رہے ہیں۔

(۲۷ جنوری) امام کی وطن واپسی میں تاخیر ہو جانے پر آیت اللہ طالقانی نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: کامیابی کا سورج طلوع ہونے کو ہے اور لوگ اپنے عظیم رہبر کا تاریخی خیر مقدم کرنے کے لئے گھڑیاں گن رہے ہیں۔ اپنے تاریخی لمحات اور ایام کا پورے جوش و خروش اور آب و تاب کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیئے۔

(۲۸ جنوری) تہران ایئرپورٹ کے بند ہونے اور امام کی وطن واپسی میں دیر ہو جانے پر

۲۲ ستمبر ۸۰ء کو ایران کے کئی فضائی اڈوں پر عراقی فضائیہ نے زبردست حملے کئے۔ تہران، تبریز، اہواز، اصفہان بوشہر، دیزفل، ہمدان، کرمان شاہ شیراز اور دیگر شہروں پر عراقی طیاروں نے بمباری کی۔ ۲۳ ستمبر کو عراقی فوج نے ایرانی علاقے میں داخل ہو کر آبادان اور خرم شہر کا محاصرہ کر دیا۔ ۲۴ ستمبر ۸۰ء کو مہران سمیت ایران کے کئی سرحدی شہروں پر عراقی فوج نے قبضہ کر لیا۔ ۲۵ ستمبر کو عراق نے ایران کے خرم شہر پر قبضہ کر لیا۔ جو آخر کار ۲۵ مئی ۸۲ء کو ایرانی فوجوں نے واپس لے لیا اور عراقی فوجوں کو اپنے علاقے سے پسپا کر دیا۔

امام جمعہ و جماعت خطیب جامع مسجد نور ایمان (ناظم آباد) عالیجناب۔
مرزا یوسف حسین صاحب ہمراہ سفیر کبیر اسلامی جمہوریہ ایران۔

لوگوں نے ایئرپورٹ کے اطراف کی سڑکوں پر قبضہ کر لیا اس طرح لوگوں اور فوجیوں میں ٹکراؤ ہوا اور جس کے نتیجہ میں میدان ژالہ کے خونیں حادثہ کی طرح میدان ۲۴ مر اسفندیار اور خیابان آمیز میں بھی خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

علمائے تہران امام کی واپسی کے لئے تہران یونیورسٹی کی مسجد میں دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ بعد میں آیت اللہ طالقانی بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔

۲۹ جنوری، لوگوں کے بڑھتے ہوئے زور کو دیکھ کر بختیار نے مجبور ہو کر امام کی واپسی کے لئے تہران ایئرپورٹ کو کھول دیا۔

۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء لوگوں کے بڑھتے ہوئے جوش اور ان کے حق طلبانہ جدوجہد کو بدنام کرنے کی خاطر تہران کے مختلف علاقوں منجملہ قلعہ شہر نو تہران میں آگ لگائی۔

یکم فروری، پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد ۹ بج کر ۲۷ منٹ اور ۳۰ سیکنڈ پر امام خمینی نے سرزمین ایران پر دوبارہ قدم رکھا۔ اس موقعہ پر اللہ اکبر کے عظیم نعروں سے سارا ایئرپورٹ گونج اٹھا۔

تقریباً اسی لاکھ فدائیان اسلام نے اپنے رہبر کا استقبال کیا۔ ایئرپورٹ سے لے کر بہشت زہرا (قبرستان) تک عوام پھولوں اور آنسوؤں کی لڑیوں سے اپنے رہبر کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

امام خمینی نے اعلان فرمایا کہ غیر قانونی حکومت کو اب ہٹ جانا چاہیئے اور اس کی جگہ انقلابی کونسل ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لے

امام خمینی کے استقبال کی نشریات کا سلسلہ اچانک منقطع کر دیئے جانے پر لوگوں نے غم اور غصہ کے اظہار کے طور پر اپنے ٹی وی سیٹ توڑ دیئے

فوجی حکام نے لوگوں کے دباؤ عظیم مظاہروں اور جلوسوں کے پیش نظر تین دن کے لئے جلسوں، مظاہروں اور جلوسوں پر سے پابندی اٹھالی۔

شاہ کی خفیہ پولیس ساواک کے سربراہ جنرل نصیری اور شاہ کے ایک نزدیکی دوست کا گھر نذرِ آتش کر دیا گیا۔

سلطنتی کونسل کے رکن علی آبادی نے کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔

کاشان کے نزدیک ایک فضائی حادثہ میں ایک ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہو گیا اور اس میں سوار پانچ امریکی ہلاک ہو گئے۔

(۲ فروری) امام خمینی کی آمد کی خوشی میں ایران کے تمام شہر پھولوں سے معطر اور روشنیوں سے منور ہو گئے۔

عوام نے اپنے نمائندوں سے سلطنتی کونسل سے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا۔

قزوین میں ایک شہید کے جنازے میں پچاس ہزار لوگوں نے شرکت کی۔

بہبہان میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۱۳ ہو گئی۔

(۳ فروری) امام خمینی نے اپنے ایک اعلانیہ میں کہا کہ شاہ پور بختیار سے ملاقات صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ حکومت سے استعفیٰ دیدے۔

امام خمینی نے اعلان کیا کہ انقلابی کونسل کے ارکان منتخب ہو چکے ہیں بہت جلد ان کا تعارف عوام سے کرایا جائے گا۔ جو نئی حکومت بنائے گی۔

شیراز کے ادارہ ثقافت کے کارکنوں نے شاہ پور بختیار کی حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔

(۴ فروری) مہندس بازرگان کے وزیر اعظم ہونے کا چرچہ عام ہونے لگا۔

شاہ پور نے اعلان کیا کہ میں آیۃ اللہ خمینی کو عبوری حکومت بنانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ لیکن اس کا عوام پر کوئی اثر نہ ہوا۔

تہران کے میئر جواد شہرستانی نے امام خمینی کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔

عوام نے پائلٹوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا

اقلید فارس کے شہر میں ہزاروں کفن پوشوں نے امام خمینی کے حق میں مظاہرے کئے۔

گیلان کے گورنر نے استعفیٰ دے دیا اور عوام کے ساتھ گھل مل گئے۔

شہید استاد نجات اللہی کے چہلم کی مجلس بہشت زہرا میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔

شہیدوں کے خانوادوں نے ساواکیوں کو مجرم قرار دے دیا۔

(۵ فروری) تاریخی پریس کانفرنس میں حصہ لیتے ہوئے رہبر انقلاب امام خمینی نے مہندس بازرگان کو انقلابی حکومت کا پہلا وزیر اعظم کہہ کر تعارف کرایا۔

امام خمینی نے سڑکوں پر مظاہرے جاری رکھنے کے لئے عوام کو ہدایت کی۔

بعض فوجی دستوں نے امام خمینی سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔

صوبہ لرستان کے قبائل امام خمینی کی حمایت پر جہاد کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے

(۶ فروری) استقبالیہ کمیٹی کے دفتر میں مہندس بازرگان نے عبوری حکومت کے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنا کام شروع کر دیا۔

تمام وزارتوں کے ملازمین نے مشترکہ طور پر انقلابی حکومت کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

مہندس بازرگان نے کہا کہ اگر شاہ پور نے استعفیٰ نہ دیا تو ہم ملازمین کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر لیں گے۔

روحانی علماء نے ۸ فروری کو جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا۔ امام خمینی نے ایک ملاقات میں علماء اکرم سے خطاب کرتے ہوئے کہا "اسلام دین سیاست ہے"۔

(۷ فروری) ایران کے جنوب مشرق میں ایک شہر میں ہونے والے مظاہروں کے دوران

تین ہزار افراد شہید اور ۵۵ زخمی ہوئے۔

لیبیا کے صدر معمر قذافی نے ایران کی انقلابی حکومت کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا

۸ فروری، تمام ایران میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں عوام نے امام خمینی اور نئی انقلابی حکومت کی حمایت میں جلوس نکالے جس میں ایئر فورس کے جوانوں نے اپنے فوجی لباس کے ساتھ شرکت کی۔ فوجیوں نے امام خمینی کی رہائش گاہ کے سامنے پریڈ کی۔

منجیل نامی ایک چھوٹے شہر میں حکومت کے لاٹھی برداروں نے دو کانوں کو آگ لگا دی۔

شیراز میں ہونے والے عوامی مظاہروں پر پھول برسائے گئے۔

۹ فروری، مہندس بازرگان نے تہران یونیورسٹی کے میدان میں لاکھوں لوگوں کے سامنے چھ نکاتی منصوبہ کا اعلان کیا۔

سنندج میں ہونے والے مظاہروں کے دوران پانچ ہزار مسلح گردوں نے امام خمینی اور انقلابی حکومت کی حمایت کا اعلان کیا۔

حکومت کے لاٹھی برداروں نے تہران کے دو اسپتالوں پر حملہ کر دیا۔

امپیریل گارڈز کی ایئر فورس چھاؤنی پر یورش کے نتیجہ میں ایئر فورس کے بیسیوں جوان ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔

۱۰ فروری، تہران میں ایئر فورس کی چھاؤنی میں خوشی میں توپ کے گولے چھوڑے گئے۔

۱۱ فروری، شاہ پور بختیار نے ایک اعلان کے ذریعہ ۴ بجے سے ۲ بجے تک کرفیو نافذ کر دیا لیکن امام خمینی نے اعلان کیا کہ اس دن کوئی شخص اپنے گھر میں نہ رہے۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ ہر طرف گولی چل رہی تھی لوگوں نے پولیس چوکیوں کے اسلحوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس طرح علماء کرام کے قتل کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

بہر حال ۱۱ فروری کی عظیم کامیابی کا ایک بڑا ثمرہ یہ تھا کہ اس نے ایک بار پھر اسلام کو دنیا میں ایک جنگجو، استعمار و استبداد کا مخالف، قانون ساز اور انسانوں کی رہائی کا چاہنے والا جو دنیا کے غریب اور بد نصیب عوام کو زر اور زور کی قید سے نجات دے سکتا ہے کے عنوان سے روشناس کرایا ہے۔

اس قیام کی وضاحت کے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ ۱۱ فروری کی عظیم کامیابی نے نہ فقط اس زمانے کی بڑی طاقتوں کو شکست دی ہے بلکہ غریبوں اور مظلوموں کی نجات کے دعویدار مکتبوں کی خیالی داستانوں کی حقیقت بھی آشکار کر دی ہے اس انقلاب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خدا پر ایمان رکھنا اور اس کی منشا کے مطابق عمل کرنا ہی معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اس قوم نے خون و فریاد کی نازک گھڑی میں جب اپنے حقیقی اور سچے رہبر کو پا لیا تو اپنی جدوجہد میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی حاصل کرتی ہوئی آگے بڑھ گئے اور ان کے درمیان پیشگام اور مجاہدین خلق جیسی جماعتوں کے چھوٹے لیڈر اور ان کے نافہم طرفدار ان کی اس پیشقدمی کے آگے مبہوت رہ گئے۔ اور جب انھوں نے دیکھا کہ اس طرح اُن کی دال نہیں گلے گی تو وہ لوگ کھلم کھلا انقلاب کی مخالفت پر اتر آئے اور شاہ کی حکومت کا تختہ الٹ جانے کے بعد انقلاب کے مخالف گروہوں یعنی ان طاقتوں جنھوں نے انقلاب کے دوران اپنے اقتدار اور مفاد کو کھو دیا تھا، ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن گئے اور تخریب کاری اور اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف سازش کرنے اور فساد پھیلانے میں مشغول ہو گئے۔

انقلابی طلبہ نے امریکی سفارت خانہ پر قبضہ کر کے متعدد امریکیوں کو یرغمالی بنا لیا ملک میں پہلے انتخاب کے بعد بنی صدر پہلے صدر منتخب ہوئے۔ رجائی وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔ صادق قطب زادہ وزیر خارجہ ہو گئے۔ یرغمالیوں کو چھڑانے کے لیے

خفیہ امریکی حملے کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ عراق نے ایران پر حملہ کر کے خرم شہر سمیت کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

• رجائی اور بنی صدر میں اختلافات

• ۔ برسر اقتدار حزب اسلامی اور پارلیمنٹ نے رجائی کی حمایت کی طویل کشمکش کے بعد بنی صدر صدارت سے معزول کر دیئے گئے۔ جو غدار نکلے۔ پھر انتخابات ہوئے رجائی صدر منتخب ہوئے۔

بم کے دھماکہ میں صدر اور وزیر اعظم ہلاک۔

ایک اور انتخاب ہوا۔ خامنہ ای صدر اور موسوی وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

ملک میں جگہ جگہ پاسداران انقلاب اور بائیں بازو کے چھاپہ ماروں میں جنگ شروع ہو گئی۔

بنی صدر اور چھاپہ ماروں کا لیڈر رجادی ملک سے فرار ہو گئے۔ جنگ شروع ہونے کے ۲۰ ماہ بعد ایران نے خرم شہر واپس لے لیا۔

۴ نومبر ۱۹۷۹ء کو تہران میں امریکی سفارتخانہ پر طلبہ نے قبضہ کر کے عملے کو یرغمال بنا لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امریکی حکومت کے سامنے ان کی رہائی کے لئے چند شرائط پیش کر دیں۔ امریکی سفارت خانے کے عملے کی رہائی کے لیے پیش کردہ شرائط کو پورا کرنے کے بجائے امریکی حکومت نے ۲۵ اپریل ۱۹۸۰ء کو اپنے سفارتی عملے کو رہا کرانے کے لیئے فوجی کارروائی کی جو بری طرح ناکام ہو گئی اور اس کے نتیجہ میں امریکہ کے پانچ ہیلی کاپٹر اور دو طیارے تباہ ہو گئے۔ ٹاسک فورس کے آٹھ افراد ہلاک اور لاتعداد زخمی ہوئے جب کہ اس ناکام کوشش میں امریکی میرین فوج کے تین سو کمانڈوز نے حصہ لیا تھا بہر حال امریکہ کو ایران کے آگے جھکنا پڑا جس کے نتیجے میں ۲۰ جنوری ۱۹۸۱ء کو امریکی یرغمالی رہا کر دیئے گئے۔

قسم کی ایک ناقابل فراموش داستان

شمشیر پر خون کی کامیابی کا رزمیہ

وہ سراپا جوش وخروش تھا، للکار تھا.. آتش فشاں تھا، بجلی کی طرح کڑک رہا تھا، شیر کی مانند گرج رہا تھا۔ لیکن ایک مشین گن کی آواز فضا میں گونجی اور اسکی اللہ اکبر کی آواز اس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کا سر جھک گیا تھا اور اسکی گرجتی ہوئی آواز خاموشیوں میں ڈوب گئی۔ اس کا گرم گرم خون زمین پر بہنے لگا اور بظاہر سب کچھ ختم ہوگیا، سب کچھ......

اس کی گرجتی ہوئی آواز خاموشیوں میں ڈوب گئی۔ لیکن اس کے شہید ہونے کو ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک زمین پھٹ پڑی اور اس کا جسم خاکی کے سینے سے جو خون میں لت پت ہو گیا تھا گل لالہ کے پودے نکل آئے اور گلدستوں کی شکل میں گل لالہ کے پودے کھل اٹھے۔ ان سرخ پھولوں سے خون عشق اور شہادت کی خوشبو پھوٹ رہی تھی اور ہر انسان کو مستی اور بے خودی کے عالم میں لے جاتی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ شہادت ایک خاتمہ اور انجام نہیں بلکہ ایک آغاز ہے ایک ابتدا ہے۔ ہاں انقلاب کے پھلنے پھولنے اور رشد کرنے کے لئے ایک نیا آغاز ہے۔

صدیوں سے مکتب تشیع کا آتش فشاں خاموش تھا اور صرف چھوٹی چھوٹی طغیانیوں کے سوا کچھ اور نہیں نظر آتا تھا صدیوں سے دشمن نے اسلام کی فتوحات کو ہم سے چھین لیا تھا اور ہم ہر چیز سے بے خبر اس کھوکھلے چھلکے کو چمٹے ہوئے تھے۔ ہم سالہا سال

سے اپنے خول میں سر چھپائے ہوئے تھے اور سوائے میز کرسی، عورت اور روزمرہ کی زندگی کے کسی اور چیز کی فکر میں نہیں تھے۔ ہماری نماز صرف زبان سے کلمات کا ادا کرنا اور ہمارا سجدہ صرف زمین سے پیشانی کا لگنا تھی۔ قرآن اور دین کی حفاظت شمشیر کے ذریعے نہیں بلکہ تقیہ کرنے کے ذریعہ انجام پاتی تھی۔ ہمارا اخلاق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر استوار نہیں تھا۔ بلکہ خاموشی اور کمزوری کی شکل میں تھا۔ ہمارا اسلام، اسلام محمدیؐ نہیں بلکہ عیسوی رہبانیت تھا۔

نعرہ لگانے والوں کو بھاری تعداد میں گرفتار کر رکھا تھا اور قید خانے کی سخت دیواریں ان کی آوازوں کو روک رہی تھیں، لوہے کی سلاخیں ان کے بازوؤں کی طاقت ختم کر رہی تھیں اور گزرتا ہوا زمانہ ان کے جوان جسموں کو بوڑھا اور جھریوں والا بنا رہا تھا۔۔ اور ہم پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا، اور اپنی فکر کے سوا ہر چیز سے بیگانہ تھے اپنے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھتے تھے۔ ہاں بس اپنی ہی فکر میں تھے۔

علی الصبح جلادوں کی گولیاں مجاہدوں کے سینے چھلنی بناتیں اور ہم ہر چیز سے بیگانہ بے خبر ان گولیوں پر محو رقص تھے۔ اور بے چاری بھینسوں کی طرح بین کی آواز سے بے خبر کیچڑ میں لوٹ مارتے اور کچھوے کی طرح خود میں بل کھاتے اور رینگتے تھے۔

یہاں تک کہ اس جلاوطن امام خمینیؒ نے، زمانے کی اس فریاد نے، حسینؑ کے حقیقی فرزند نے اپنی جلاوطنی کے مقام سے ہمیں پھر قیام کی دعوت دی اور چلا کر کہا قوموا للہ۔ خدا کے لئے اٹھ کھڑے ہو! ہم اپنے رہبر کی اس پکار پر حرکت میں آئے اور بیدار ہو گئے۔ اور اس بار ہم سب نے متحد ہو کر قیام کیا۔ عاشورہ برپا کیا اربعین منائی اور سڑکوں پر سیلاب کی مانند رواں دواں ہوئے۔ بجلی کی طرح کڑکے اور ظالموں کو لرزہ براندام کر دیا۔ دنیا حیرت میں پڑ گئی کہ یہ خشم و غضب اور انقلاب کا یہ طوفان کہاں سے جاری ہو رہا ہے اور انسانوں کا یہ جم غفیر جو ناگہاں سڑکوں پر سیلاب کی طرح امڈ آیا ہے کون سے فلسفے اور مکتب میں پروان چڑھ رہا ہے؟

وہ حیران و پریشان تھا اور ہم نے اپنے مکتب کے انسان ساز اور معاشرہ ساز سبق کے ذریعے بندھنوں کو کاٹ ڈالا، زنجیروں کو توڑ پھینکا اور دشمن کی جڑ کو ختم کر ڈالا۔

اور اب کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی تاریخ کے سرخ صفحات کو طاقِ نسیاں کے سپرد کر دیں، ایسا نہ ہو کہ ہمارے ساتھی ناشکری کریں اور ایران کے عاشوروں کے فرزندوں کے رزمیہ اور بہادرانہ کارناموں کو لکھنا بھول جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ دسیوں ہزار شہیدوں کے خون کو اپنی اقتدار پسندیوں اور جاہ طلبیوں کا ذریعہ بنا لیں ایسا نہ ہو کہ غرور ہمارے وجود پر ایسا غلبہ کرے کہ ہم میں سے ہر ایک انقلاب کو اپنے وجود سے منسوب سمجھے۔

بہادرانہ کارروائیاں انجام دینے والے شہیدوں کے چہلم کی شام تھی مظاہروں میں شرکت کے بعد واپسی پر میں مدرسہ حقانی میں داخل ہو گیا اور ایک گوشہ میں جا بیٹھا۔ فائرنگ کی آواز ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی تھی۔ اس روز شہر کے مختلف حصوں میں بے شمار لوگ شہید ہو رہے تھے۔ شام چار بجے کا وقت تھا۔ میں بہت تھکا ماندہ تھا اور چاہتا تھا کہ کچھ دیر بیٹھ کر آرام کروں لیکن گولیوں کی آوازوں اور عوام کے اللہ اکبر کے نعروں نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا۔ مجھے بے اختیاری طور پر اپنا ہمیشہ کا یہ نعرہ یاد آ گیا۔

؎ سکوت ہر مسلمان خیانت است بہ قرآن۔ (ہر مسلمان کی خاموشی قرآن سے خیانت ہے) میں اٹھ کر مدرسے باہر نکلا۔ شہر سراپا شور و غوغا تھا۔ میں اس طرف چل پڑا جدھر سے زیادہ شور کی آواز آ رہی تھی۔ گلیوں اور کوچوں سے گزرتا ہوا کوچۂ آبشار میں پہنچا وہاں پر بے شمار جوان جمع تھے جو جوش و خروش سے بھرے ہوئے عوام کے ساتھ یہ نعرے لگا رہے تھے۔

؎ مسلمان بپا خیز۔ برادرت کشتہ شد۔ (مسلمان اٹھ کھڑا ہو تیرا بھائی مارا گیا)

"خمینی خمینی خدا نگهدار تو۔ بمیرد بمیرد دشمن خونخوار تو" (خمینی خمینی! تیرا خدا نگہبان ہے تیرا خونخوار دشمن ہلاک و نابود ہو جائے)

"استقلال آزادی۔ جمہوری اسلامی" کوچے کے آخری حصے میں سڑک کے پاس حکومت کے ایک ایجنٹ کی کار الٹی پڑی تھی اور لوگ اسکو مورچہ بنا کر نعرے لگا رہے تھے اور دوسری طرف پل آہنچی کے قریب موجود شاہی گارڈز پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ لیکن چونکہ فاصلہ زیادہ ہے وہ پتھروں کی زد سے محفوظ تھے۔ شام پانچ ساڑھے پانچ بجے کا وقت تھا اور سورج ہمیشہ سے زیادہ سرخ تھا اور تیزی کے ساتھ مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس وقت پل آہنچی کے بغل میں موجود شاہی گارڈز نے صف آرائی شروع کی۔ لوگوں کو ان کی پوزیشن سے علم ہو گیا کہ وہ حملے کا ارادہ رکھتے ہیں لکڑیوں اور پتھروں کو تیار کیا اور جنگ کے لئے آمادہ ہو کر مورچہ بندی کی۔ شاہی گارڈز کے کمانڈر نے اپنے افراد کو ایسے زاویے میں منظم کیا جس کی نوک ہماری جانب تھی۔ اور اس کے اشارے پر سبھی نے اپنی بندوقوں کے گھوڑوں کو کھینچا اور بے احساس اور جامد مجسموں کی مانند فائرنگ کے لئے تیار ہو کر نشانہ لیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حقیقت میں حملہ ہونے والا ہے تو انھوں نے اپنا نعرہ بدل دیا۔

"اگر بکشیم پیروزیم۔ کشتہ شویم پیروزیم، سرباز تو بی گناہی۔ فرماندہ ات مزدور است۔ (اگر ہم ماریں تو بھی فاتح ہیں۔ اے فوجی! تو بے گناہ ہے۔ تیرا کمانڈر زر خرید ایجنٹ ہے)۔

"شاہی گارڈز کے افراد چند قدم آگے آئے ان کے کمانڈر کے چلانے کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوجی اس کے احکام کی پورے طور پر اطاعت نہیں کر رہے تھے۔ وہ صرف چند قدم آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے۔ بہت نازک موقعہ تھا۔ کیا وہ اپنے ہم وطن لوگوں کے سینے کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنائیں گے؟ کیا وہ اپنی گولیوں کو ان بہادر جوانوں کے سینوں میں پیوست کر دیں گے؟

(چند روز قبل ہمارے دوستوں میں سے ایک ان فوجیوں میں سے ایک سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اور اس نے بتایا تھا کہ ہمیں روسی ایجنٹوں سے مقابلہ کے لئے قم لایا گیا ہے جیسا کہ معلوم ہوا ہے کچھ روسی فوجیوں کا ارادہ ہے کہ شہیدوں کی اربعین کے موقعہ پر شہریوں کے بھیس میں قم پر قبضہ کر لیں گے!!)۔

مجھے نہیں معلوم، شاید انہوں نے اپنے خیال میں روسی ایجنٹوں کے سینوں کو نشانہ بنایا تھا!! بہر حال جیسی کہ ہمیں توقع تھی ویسا ہی ہوا اور گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی، میری بغل میں کھڑا ہوا جوان گولی کھا کر گر پڑا اور ہم تیزی کے ساتھ کوچہ آبشار میں داخل ہو گئے۔

لوگ عام طور پر اپنے گھروں کے دروازے کو کھلا رکھتے تاکہ ایسے موقعوں پر مظاہرین چھپ سکیں۔ ہمارے ساتھی گھروں میں چھپ گئے۔ اور کچھ لوگوں نے خود کو چھوٹی چھوٹی گلیوں میں چھپا دیا، میں بھی ایک چھوٹی سی گلی میں چھپ گیا، ذرا سی دیر کے بعد کوچہ آبشار سے بھی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہی گارڈز کے افراد اس کوچہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ تیزی سے ایک گھر میں گھس گیا اور دروازے کو بند کر لیا۔ چند منٹ گزرے اور فائرنگ کی آواز رک گئی۔ ہم نے دروازہ کھولا تاکہ حالات کا اندازہ لگائیں لیکن سامنے والے گھر کی چھت پر موجود ایک خاتون نے اشارہ سے بتایا کہ دروازہ بند کرو اور باہر نہ نکلو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ وقت بہت آہستہ گزر رہا تھا، سبھی خاموش تھے اگرچہ ہماری تعداد کافی تھی۔ لیکن کوئی کچھ نہیں بولتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد باہر سے ایک آواز بلند سنائی دی جس نے مکمل خاموشی کو ختم کر دیا۔ یہ آواز ایک جوان کی آواز تھی جو اپنی پوری قوت سے چلا کر کہہ رہا تھا: "بھاڑے کے ٹٹو! مجھے مار ڈال مجھے مار ڈال! کیوں دیر کرتا ہے؟ اے جلاد، بھاڑے کے ٹٹو....!"

اس آواز نے ہم میں شجاعت کی ایک نئی روح پھونک دی۔ ہم سب باہر نکل آئے۔ کئی لوگ شہید ہو چکے تھے۔ ان کی خون میں لت پت لاشیں اس طرح کوچہ آبشار میں پڑی ہوئی تھیں۔ شاہی گارڈز کے افراد غصے میں بھرے اور خونبار آنکھوں کے ساتھ کوچے کے سرے پر کھڑے تھے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی گلیوں سے جھانک رہے تھے۔ اور وہ خوبصورت اور جوان لڑکا کوچے کے وسط میں اپنا سینہ تانے اس طرح چلا رہا تھا۔۔۔

"بھاڑے کے ٹٹو! جلاد! مار، مار ڈال، کیوں نہیں مارتا؟؟"

میں پریشان ہو گیا اور اپنے آپ سے کہا! کہ بس اب انکی گولیوں کی بوچھاڑ اس کے سینے کو چھلنی بنا دے گی۔ اور میں نے بے اختیاری کے عالم میں چلا کر اس سے کہا ادھر آجاؤ۔ کیا پاگل ہو گئے ہو؟ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ اس دنیا میں ہی نہ ہو اور حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ سراپا آگ بگولا تھا اور اسکو کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے شاہی گارڈز کے افراد پر نظر ڈالی انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اور بہت جلد میں سمجھ گیا کہ میں نے اندازے میں غلطی کی تھی۔ ان کی اشکبار آنکھوں نے میرے دل میں امید کی روشنی پیدا کر دی اور لمحہ بھر میں مجھے یقین آگیا کہ واقعتاً خون شمشیر پر فائق ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ اکبر کا نعرہ پتھر کو پگھلا سکتا ہے۔ عجیب منظر تھا۔ لوگوں نے ایک لاش کو جو ایک چھوٹی سی گلی کے پاس پڑی تھی گلی میں گھسیٹا اور تیزی کے ساتھ اس لاش کو دور لے گئے شاہی گارڈز کے افراد اس بات کی طرف توجہ دیئے بغیر کوچے کے آخری حصے میں کھڑے تھے اور اس جوان کو مبہوت نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جو چلا رہا تھا لیکن کسی میں بھی گولی چلانے کی ہمت نہیں تھی ان کے تنومند جسم اس جوان کی پکار پر سست ہو گئے تھے اور ان کے ہاتھ کانپ

رہے تھے اچانک ان کے کمانڈر نے غضبناک آواز میں دیوانوں کی طرح چلاّ کر کہا:
"بھاگو بھاگو، ان کو مار ڈالو اب اور کیا چاہتے ہو" اس کے ساتھ وہ دوسرے افراد کے ساتھ کوچے میں داخل ہوا۔ ہم بھی چھوٹی چھوٹی گلیوں میں چھپ گئے۔ ایک بار پھر فائرنگ شروع ہوگئی اور اس بار میں مدرسۂ حقانی میں لوٹ گیا، میں سخت غمگین اور افسردہ تھا مدرسہ کے ایک کونے میں کھڑا ہوگیا۔ مگر کسی سے بات نہیں کی کیونکہ بات کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتا تھا۔

مدرسے کی لائبریری کی چھت پر کچھ ساتھی کھڑے ہوئے شہر کے مختلف حصوں میں جو سراپا قیام اور فریاد بنا ہوا تھا۔ تماشہ دیکھ رہے تھے اس دوران مدرسہ کے پرنسپل نے دوسری منزل سے ان میں سے ایک کو پکار کر کہا: "اکبریان صاحب آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ سر کو اندر کر لیجئے۔ گولی ہے! ایک دفعہ اگر آدمی کے سر میں لگ گئی ہے۔"

میں نے پرنسپل کے اس رویے پر تعجب نہیں کیا کیونکہ ایسی بات پہلے بھی سنی تھی لیکن سوچ میں پڑ گیا کہ آخر دو مختلف طرز فکر کے راز کیا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تو اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے سینوں کو دشمن کی گولیوں کے لئے تانتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اور وہ بھی اسلام ہی کے تحفظ کی خاطر اس قسم کی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اسلام کے لئے چاہتے ہیں اور یہ لوگ اسلام کو اپنے لئے لیکن اس جواب نے بھی مجھے مطمئن نہیں کیا۔ اپنے دوستوں کے پاس گیا اور کوچہ آبشار کے قتل عام کے واقعے کو چند جملوں میں سنایا اور وہ متعجب اور غمگین ہوگئے انھوں نے کہا چلو چل کر دیکھیں کیا ہوا ہے؟ ہم لوگ تیزی کے ساتھ کوچۂ آبشار پہنچے، اندھیرا ہو رہا تھا، کچھ لاشوں کو عوام اور کچھ کو شاہی گارڈز لے جا چکے تھے لیکن کوچہ میں اور ایک چھوٹی گلی میں خون کے نشانات

ہیں۔ اسی اثناء میں کچھ لوگ کسی چیز کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا "بھیجا ہے" دوسرا کہہ رہا تھا "پھیپھڑا ہے"۔ اندھیرا تقریباً چھا چکا تھا مجھے بھی شک تھا کہ کیا ہے میں نے اس دن تک ایسی چیز نہیں دیکھی تھی۔ بھیجے کی مانند تھا لیکن اس کا حجم بھیڑ کے پھیپھڑے کے تھا اس وجہ سے انسان کو شک ہوتا تھا کہ "بھیجا ہے" یا پھیپھڑا"۔ ایک لڑکا ٹارچ لے آیا اور ہم نے بہت غور سے دیکھا نا قابل یقین بات تھی۔ ایک انسانی بھیجا تھا جو بالکل سالم زمین پر پڑا ہوا تھا... ایک مغز تھا جو چند منٹ پہلے تک نہایت امید اور ایمان نیز عشق و ایثار کے ساتھ اس مغز کے مالک کو استقامت اور پائیداری کا حکم دے رہا تھا اور اب زمین پر پڑا تھا۔ ذرا اس طرف، کھوپڑی کی ہڈیوں کے ٹکڑوں کو دیکھا جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے ایک لڑکا ان کو جمع کر کے مدرسے لایا۔ ایک دن تک مدرسے کے کاریڈور میں رکھا۔ اور دوسرے دن مدرسے گیا باغیچہ میں دفن کر دیا۔

رات کے آخری حصے میں جب ایک بار پھر کچھ ساتھیوں کے ساتھ شہداء کے خون کے مقامات دیکھنے گئے تو کوئی نشانی نہیں ملی۔

آبپاشی گاڑیوں نے سب کو دھو کر صاف کر دیا تھا حتیٰ کہ ان تحریروں کو بھی جو در و دیوار پر خون سے لکھی گئی تھیں صاف کر دیا تھا۔ لیکن وہ لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ خون وہ خون نہیں جو پانی سے صاف ہو جائے یہ خون تاریخ کے صفحات پر گرا ہے اور اس کی سرخی ہمیشہ قائم رہے گی۔

(بشکریہ ندائے اسلام جنوری۔ فروری ۱۹۸۲ء خصوصی نمبر۔)

تیری خاطر آج وصیؔ کی دعا ہے بس یہی
ہر قدم پہ سرخرو رکھے تجھے ربُّ العباد
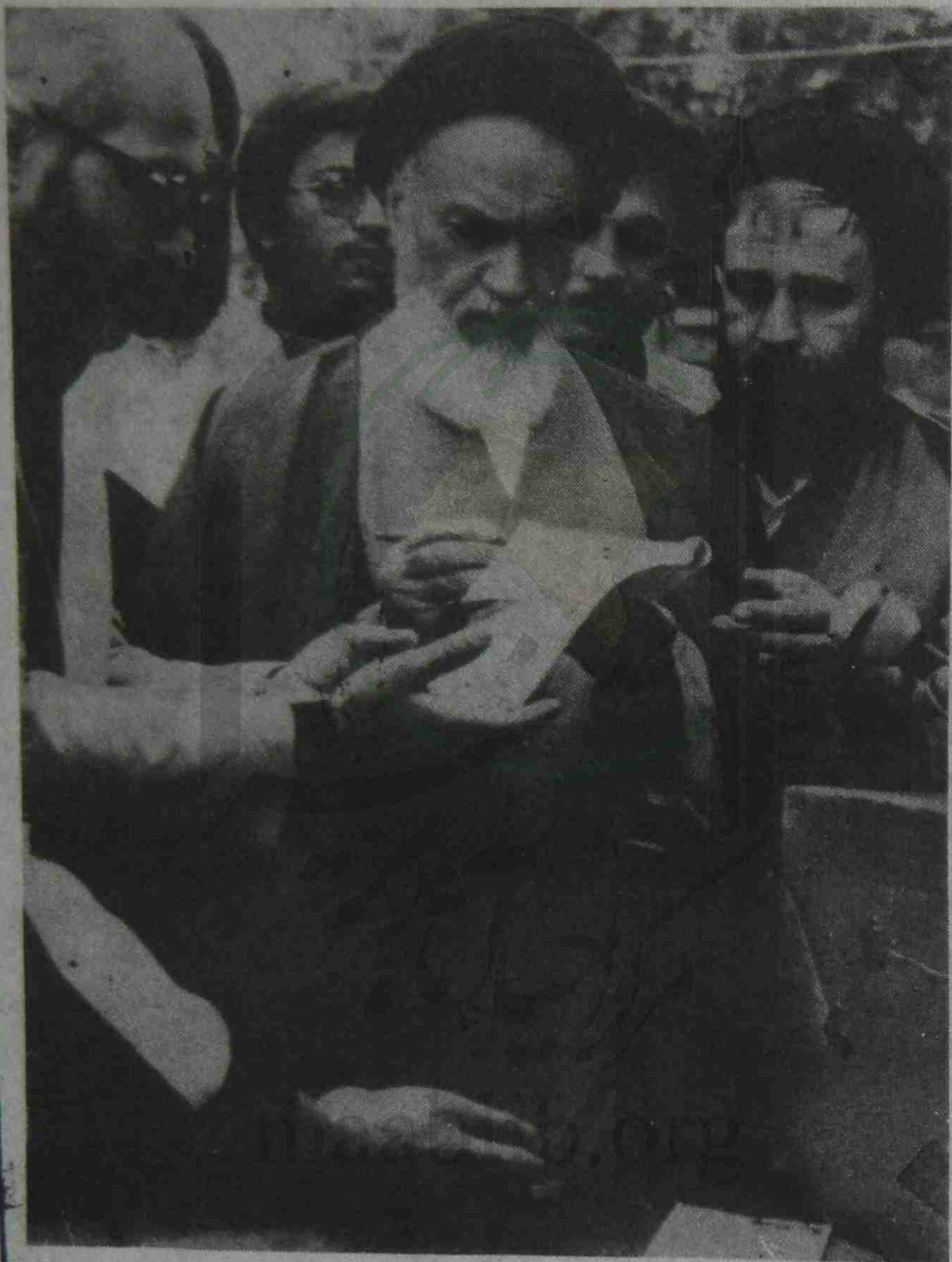
دنیا بھر کے مسلمان نوجوانوں کے نام امام خمینی نے ایک پیغام میں فرمایا۔ میرے عزیز نوجوانوں
میری امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں اسلحہ اٹھا کر دشمنانِ اسلام کا ڈٹ
کر مقابلہ کرو۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔"

محمد وصی خان

صدر مرکزی تنظیم عزا (رجسٹرڈ) کا تاریخ ساز کارنامہ

دو تاریخ ساز کتابیں کتابیں فخریہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ نہج البلاغہ کی روشنی میں زندگی کا منظر قیمت دس روپے۔ مولائے کائنات کے بنائے ہوئے زریں اصول خود اپنائیے اور دوسروں کے سامنے فخریہ پیش کیجیے ایک عجیب وغریب کتاب جس کے ایک ایک صفحے ایک ایک سطر ایک ایک لفظ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کو دل چاہے گا۔

۲۔ تشکیل پاکستان میں شیعان علی کا کردار جلد اول قیمت ۲۵ روپے۔

تشکیل پاکستان کے لئے شیعان علیؑ نے جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں انکو پہلی بار تاریخ ساز کتاب کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کو مندرجہ ذیل صاحبان علم ادب اہل قلم حضرات کی نادر تحریروں سے زینت دی گئی ہے۔

علامہ طالب جوہری صاحب، مولانا احمد جوہر صاحب۔ علامہ مرزا یوسف حسین صاحب۔ علامہ مفتی عنایت علیشاہ صاحب۔ راحت حسین ناصری صاحب۔ پروفیسر سید علی رضا شاہ نقوی صاحب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل صاحب۔ پروفیسر علی حسنین شیفتہ۔ ڈاکٹر سید نظیر حسنین زیدی صاحب علامہ شیخ حسن فخر الدین صاحب۔ جناب سید محمود الحسن رضوی صاحب۔ جناب سید رضا رضوی۔ جناب سید دبیر حسین رضوی۔ جناب علامہ شبیہ الحسن محمدی۔ جناب رئیس امروہوی صاحب جناب سیف بنارسی صاحب۔ جناب علامہ محسن اعظم گڑھی مرحوم۔ مولانا اظہر حسن زیدی۔ مولانا ابن القا حیدری مرحوم۔ جناب رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم۔ جناب راجہ صاحب محمود آباد۔ جناب ناز شی اکبر آبادی۔ جناب مسعود زاہدی ایڈوکیٹ۔ جناب اکبر الہ آبادی۔ جناب سید تہذیب حیدر رضوی۔ جناب مختار مسعود سی ایس پی۔ جناب حسنین کاظمی صاحب۔ جناب سید سبط رضا رضوی صاحب۔ مرزا علی حسن برلاس صاحب نواب صدیق علی خان۔ ڈاکٹر عالیہ امام۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی۔ جناب سبط جعفر ایڈوکیٹ۔ سید آل محمد رزمی صاحب۔ جناب مقصود زاہدی۔ جناب محمد علی ہزارہ جہانگیری۔ جناب جابر حسین۔ جناب مواکر مشہدی صاحب۔ ضیاء الحسن موسوی۔ اسکواڈرن لیڈر ریٹائرڈ کرنل سید اشفاق نقوی ایم اے۔ جناب رضوان احمد صاحب۔ جناب رضا انصاری ایڈیٹر صدائے بلتستان۔

غیر مطبوعہ خطوط:۔ (۱) کرنل عفار مہدی کے نام راجہ صاحب محمود آباد۔

(۲) مہاراج کمار (محمود آباد) کا خط قائد اعظم کے نام۔

(۳) عظیم کارنامے۔ فاطمہ صغرا کی کہانی اخباروں کی زبانی۔ (۴) چودہ جوانوں نے گلگت اور بلتستان کو کس طرح پاکستان میں شامل کرایا۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک شیعہ اکابرین ملت نے برصغیر میں ملت اسلامیہ کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو تاریخ کے بھرپور حوالہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

امام خمینی کی واپسی

محمد مسکل سرشار طاہر